

سَيِّدِنَا صِدِّيقِ الْكَبَرِ
كَ
مَقَامِ قُرْبَتٍ وَمَعِيَّتٍ

شيخ الاسلام داکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز



سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ



خصوصی خطاب

منہاج القرآن پبلیکیشنز

365- ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 042-111-140-140

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، فون: 042- 7237695

www.Minhaj.org - sales@Minhaj.org



مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ
وَالْآلِ وَالصَّحْبِ ثُمَّ التَّابِعِينَ فَهُمْ
أَهْلُ التَّقَى وَالنُّقَى وَالْحِلْمِ وَالْكَرَمِ
ثُمَّ الرِّضَا عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَعَنْ عُمَرَ
وَعَنْ عَلِيٍّ وَعَنْ عُثْمَانَ ذِي الْكَرَمِ

﴿صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ﴾

جملہ حقوق بحق تحریک منہاج القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب : سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام قربت و

معیت

خصوصی خطاب : شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ترتیب و تدوین : ڈاکٹر علی اکبر الازہری، شیخ عبدالعزیز دباغ

زیر اہتمام : فرید ملٹ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ Research.com.pk

مطبع : منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور

اشاعت اول : مارچ 2009ء

تعداد : 1,100

قیمت :

لَا تَجْعَلْنَا مِلَّةَ مَنْ هَاجَا



نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصانیف اور ریکارڈڈ خطبات و لیکچرز کی کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے تحریک منہاج القرآن کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاج القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

www.MinhajBooks.com

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

حکومت پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔اے) ۸۰/۱-۲ پی آئی
وی، مؤرخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومت بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل
وایم ۴/۹۷۰-۷۳، مؤرخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومت شمال مغربی سرحدی صوبہ
کی چٹھی نمبر ۲۳۴۱۱-۶۷-۱ این۔اے / اے ڈی (لائبریری)، مؤرخہ ۲۰ اگست
۱۹۸۶ء؛ اور حکومت آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت / انتظامیہ
۶۳-۸۰۶۱/۹۲، مؤرخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی
تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

www.MinhajBooks.com

فہرست

صفحہ	عنوانات
۹	پیش لفظ
۱۲	صدیق اکبر ﷺ کا نفرنس کا تاریخی پس منظر
۱۴	شانِ صدیق ﷺ میں نازل ہونے والی آیات
۱۴	آیہ مذکورہ کا سیاق و سباق
۱۵	آیہ مبارکہ کے مضامین
۱۶	سیدنا صدیق اکبر ﷺ کی امتیازی شان
۱۷	صحابیتِ صدیق ﷺ سے انکار صریحاً کفر ہے
۱۹	مضاف اور مضاف الیہ کا ایمان افروز تعین
۲۱	اثین میں صدیق اکبر ﷺ کی اولیت پہلی توجیہ
۲۱	دوسری توجیہ
۲۴	ثانی اثین کی دوسری تفسیر
۲۴	ہمما کی ضمیر سے معیت دائمی پر استدلال
۲۶	ایشاِ نفرس سے فنایت کا حصول

صفحہ	عنوانات
۲۸	فنا کے بعد بقائے دوام کا انعام
۲۹	معیت کی دو اقسام
۳۰	مخاطب کی بجائے متکلم کا صیغہ کیوں؟
۳۲	سکینۃ کا نزول کس پر ہوا؟
۳۵	شیعہ مفسرین کی آراء
۴۱	توجہ اتحادی کا خصوصی فیضان
۴۲	صوفیاء اور اولیاء کی توجہ
۴۵	کتے پر توجہ اتحادی اور معیت کے اثرات
۵۰	میلاد النبی ﷺ اور قدوم مدینہ میں مماثلت
۵۱	غارِ ثور میں قیام کا فیصلہ کیوں فرمایا؟
۵۵	خصوصی حالات کے لیے خصوصی تیاری
۵۷	سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر توجہ اتحادی کے مظاہر
۶۱	معیت کے ساتھ استقامت

پیش لفظ

تحریک منہاج القرآن نے ہمیشہ اپنے فکر و عمل سے اعتدال و توازن کا درس دیا ہے۔ بانی و سرپرست اعلیٰ تحریک، شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کی تعبیر دین، محبت امن اور علم گزشتہ دو عشروں سے دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر رہی ہے۔ یہ آج کی بات نہیں جب شرق و غرب میں ”دہشت گردی“ کی دھوم مچی ہوئی ہے اور ہر شخص محبت اور امن کی تلاش میں سرگرداں ہے بلکہ شیخ الاسلام نے محبت، امن اور علم کا قرآنی منشور (منہاج القرآن) اس وقت عام کرنا شروع کر دیا تھا جب ربع صدی قبل پوری دنیا میں دو عالمی سامراجی نظام رو بہ عمل تھے۔ ابھی سرد جنگ کا خاتمہ ہوا تھا نہ امریکہ نے ”نیو ورلڈ آرڈر“ جاری کیا تھا۔ نہ 9/11 کا خونى ڈرامہ وقوع پذیر ہوا تھا اور نہ امریکہ، بھارت اور اسرائیل کی طاغوتی حکون مسلمانوں کی نسل کشی کے لئے متحرک ہوئی تھی۔ اس وقت ان کے صلح پسند، علم پرور، محبت آمیز اور امن دوست پیغام کو نقار خانے میں طوطی کی آواز سمجھا جا رہا تھا۔ بعض حلقوں میں اسے مصلحت اندیشی اور ”غیر جہادی“ کاوش تصور کیا گیا مگر بہت جلد وقت اور حالات نے ثابت کر دیا کہ ”روح عصر“ کی پکار یہی ہے۔

داعی امن کی اس پکار کا دوسرا میدان منتشر اور دست و گریباں امت مسلمہ ہے جو مذہبی تفرقہ اور مسلکی کشاکش کے ہاتھوں چور چور ہے۔ اسے سیاسی زوال کے تحفہ میں ملنے والی معاشی ابتری، سیاسی عدم استحکام اور مذہبی منافرت نے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ برصغیر پاک و ہند کی سر زمین پر مذہبی منافرت کے یہ شعلے بوجہ کچھ زیادہ بھڑکتے رہے ہیں جن کی زد میں پڑوسی مسلمان ممالک بھی جھلس چکے ہیں۔ غور کیا جائے تو اس مذہبی منافرت کی تہہ میں خوارج اور روافض کی وہی دیرینہ چنگاریاں نظر آتی ہیں جو اوائل اسلام میں دکھائی

گئی تھیں۔ ان دو مخالف انتہاؤں کا تسلسل کسی نہ کسی طرح آج بھی موجود ہے۔ دونوں طرف کی نیم خواندہ، مفاد پرست اور جذباتی مذہبی قیادت شعوری اور غیر شعوری طور پر ان شعلوں کو ہوا دے کر اپنے حلقہ ارادت میں افراد کے اضافے کو ہی دینی خدمت اور ”جہاد“ قرار دیتی رہی ہے۔ عالمی اور قومی سطح پر دین دشمن قوتیں ہمیشہ ان شعلوں کو ہوا دے کر بھڑکانے والوں کی حوصلہ افزائی کرتی رہی ہیں۔ اس لیے منافرت پھیلانے والوں میں کم و بیش ہر مکتبہ فکر برابر کا شریک ہے۔

اس گئے گزرے دور میں یہ سعادت اور توفیق اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمارے قائد و مربی حضور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کو عطا فرمائی ہے کہ وہ صدیوں سے جاری ان اختلافات کی شدت کو نبوی دانش و بصیرت کے ساتھ کم کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ یہ اختلافات ختم نہ بھی ہوں تو کم از کم خون آشامی اور جگ ہنسائی کا باعث نہیں ہونے چاہئیں۔ الحمد للہ تحریک منہاج القرآن - وطن عزیز سمیت شرق و غرب میں اپنی عظیم و جلیل عاشق رسول ﷺ داعی امن اور بیدار مغز عبقری قیادت کی زیر سرپرستی محبت و مودت کی بستیاں آباد کر رہی ہے۔

اہل علم و فکر جانتے ہیں کہ ان اختلافات کا ایک سرا اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے منسوب غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے جبکہ دوسرا سرا اہل بیت اطہار سے متعلق گستاخی بے ادبی اور دریدہ ذہنی پر مبنی جبارتوں سے زہر آلودہ ہے۔ مفکر اسلام علامہ محمد اقبال نے اسی روش سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا تھا:

اے گرفتار ابوبکر ﷺ و علی ﷺ ہوشیار باش..... لیکن اعتقادی جنگ میں جتنی ہوئی عوام اپنے اپنے ”سپہ سالاروں“ کے پرچم تھامے صدیوں سے ان محاذوں پر مورچہ بند ہیں۔ یہ کتنی افسوسناک بات ہے کہ اپنی اس جنگ میں ہم عہد رسالت مآب ﷺ کی معصوم، مقدس اور برگزیدہ شخصیات کو بھی جھوٹے سے باز نہیں آتے۔ ہمارے تعصبات کی

آگ ان پاکیزہ ہستیوں کے تقدس کو بھی جلانے سے نہیں کتراتی۔ گزشتہ سال اسی سلسلہ خدمت اور تحریکِ محبت و امن کو آگے بڑھاتے ہوئے منہاج القرآن علماء کونسل کے پلیٹ فارم پر بالترتیب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی شخصیت و سیرت اور فضائل و کمالات کو ٹھوس علمی پیرائے میں منظر عام پر لانے کی انتہائی کامیاب کاوشیں ہوئیں۔ دانشِ عصر حاضر مجددِ دین و ملت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری طال اللہ عنہ نے رشد و محبت کے ان دونوں سرچشموں کی اہمیت جس طرح آشکار کی وہ قدرت نے انہی کے حصے میں لکھا تھا۔ ہزاروں علماء دانشور اور مصنف ہر دور میں اپنے علم و فکر کا نذرانہ ان بارگاہوں میں پیش کرتے رہے ہیں مگر علم و تحقیق کو وجدان و عرفان کی جن رفعتوں سے آپ نے سرفراز کیا اس کی مثال بلاشبہ پوری تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ دونوں موضوعات پر خطاب کے دوران اجتماعات میں بیٹھنے والے اہل علم خواتین و حضرات وجد و سرور کی جس کیفیت میں ڈوب کر سنتے رہے اس کا اظہار الفاظ و بیاں کے پیمانوں میں تو نہیں سمویا جاسکتا لیکن اس کے اثرات و نتائج گلزاروں کی صورت میں دیکھنے ضرور نظر آ رہے ہیں۔ صدیقی اور علوی عقیدت کے دونوں دبستان دراصل فیضِ نبوت محمدی ﷺ کے سرچشمے سے فیضیاب ہیں۔ دین کی خدمت، ان سرچشموں سے محبت کی سرشاریوں کو عام کرنے سے عبارت ہے نہ کہ ان کے درمیان مغائرت و منافرت کے خود ساختہ زہریلے تصورات کو ہوا دینے میں۔

زیر نظر کتابچہ ”سیدنا صدیق اکبر کا مقام قربت و معیت“ حضور سیدی شیخ الاسلام کے اس وجدانی خطاب کی کتابی ترتیب ہے جو آپ نے سورۃ توبہ کی آیۃ مبارکہ کے متعلقہ قرآنی کلمات کی تفسیر میں ارشاد فرمایا۔ حسب پروگرام اس خطاب میں ان تمام آیات قرآنی کا احاطہ کرنا مطلوب تھا جو سیدنا صدیق اکبر ؓ کی شان میں نازل ہوئیں مگر ہمیشہ کی طرح وقت کا دامن تنگ ہو گیا اور خیالات کی آبخاں ایک ہی آیت کے معانی

اُگتی رہی۔ اس خطاب کا دورانیہ تقریباً ۴ گھنٹے تھا اور کانفرنس میں ہر مکتبہ فکر کے علماء اور ہر طبقہ زندگی کے سامعین تشریف فرما تھے۔ اس ملک گیر اجتماع میں جگر گوشہ غزالیؒ زماں حضرت صاحبزادہ علامہ ارشد سعید کاظمی شیخ الحدیث انوار العلوم، ملتان سے خصوصی شرکت کیلئے تشریف لائے اور افتتاحی خطاب فرمایا۔ ابھی موضوع پر بقیہ آیات مبارکہ کے حوالے سے گفتگو ہونا باقی ہے، دیکھئے وقت تشنگان علم و معرفت اور مثلاًشیان محبت و مودت پر پھر کب مہربان ہوتا ہے۔

(ڈاکٹر علی اکبر الازھری)

ڈائریکٹر FM Ri



www.MinhajBooks.com

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ رَسُولِهِ النَّبِيِّ
الْأَمِينِ الْمَكِينِ الرَّؤُوفِ الرَّحِيمِ. أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ.

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ
إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ
سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا
السُّفْلَى ط وَكَلِمَةَ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (۱)

’اگر تم ان کی (یعنی رسول اللہ ﷺ کی غلبہ اسلام کی جدوجہد میں) مدد نہ
کرو گے (تو کیا ہوا) سو بے شک اللہ نے ان کو (اس وقت بھی) مدد سے نوازا
تھا جب کافروں نے انہیں (وطن مکہ سے) نکال دیا تھا درآ نکالیکہ وہ دو (ہجرت
کرنے والوں) میں سے دوسرے تھے جبکہ دونوں (رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر
صدیق ؓ) غار (ثور) میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی (ابوبکر صدیق ؓ)
سے فرما رہے تھے: غمزدہ نہ ہو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، پس اللہ نے
ان پر اپنی تسکین نازل فرما دی اور انہیں (فرشتوں کے) ایسے لشکروں کے
ذریعہ قوت بخشی جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور اس نے کافروں کی بات کو پست و
فروتر کر دیا، اور اللہ کا فرمان تو (ہمیشہ) بلند و بالا ہی ہے، اور اللہ غالب، حکمت
والا ہے“

صدق اکبر ﷺ کا نفرنس کا تاریخی پس منظر

واقعہ یہ ہے کہ امت کی تاریخ کے اوائل دور میں ہی مسالک وجود میں آ گئے جن کی ابتداء سیاسی اختلافات سے ہوئی۔ امت میں ان اختلافات کا بہت بڑا سبب جو آگے چل کر اعتقادی شکل اختیار کر گیا، فتنہ خوارج تھا چونکہ یہ فتنہ بعض اکابر صحابہ اور خصوصاً سیدنا مولا علی شیر خدا کی مخالفت پر ابھرا رہا تھا اس لئے لامحالہ اس کا رد عمل ہوا۔ اس رد عمل میں شیعان علی وجود میں آ گئے۔ خوارج کی طرف سے ایک تو آئمہ اہل بیت اطہار کے خلاف اموی دور میں اور بعد ازاں پھر بنو عباس کے دور میں سیاسی مقاصد کے تحت مہم چلی تو دوسری طرف خلفائے راشدین، ازواج مطہرات اور دیگر اکابر صحابہ کرام کے خلاف بھی پروپیگنڈا ہوا۔ صحابہ کرام، ازواج مطہرات اور اہل بیت اطہار کو دو مخالف گروہوں کی شکل میں پیش کیا جانے لگا۔ فرضی اور من گھڑت روایات کا سلسلہ شروع ہو گیا اور یوں پہلی مرتبہ حدیث نبوی اور تاریخ میں وضع کا فتنہ داخل ہوا۔ اسی طرح مسالک اور فرق کی تاریخ رفتہ رفتہ موضوع، روایات، الزامات اور اتہامات سے لبریز ہو گئی۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اعتدال انتہا پسندی اور تشدد میں بدلتا گیا اور نہ صرف یہ فرق ایک دوسرے سے دور ہوئے بلکہ اُممۃ و سَطَا کی شان رکھنے والی ملت باہم دست و گریبان ہو گئی۔ ایک دوسرے کے خلاف تلواریں نیاموں سے باہر نکل آئیں۔ ان دونوں انتہاؤں میں بٹ جانے والے طبقوں کے علاوہ اہل اسلام کی ایک بڑی اکثریت مسلک اعتدال پر قائم رہی جسے ”سوادِ اعظم“ کہا جاتا تھا۔ یہ اعتدال پسند اکثریتی طبقہ خوارج اور شیعہ کے درمیان رہا۔ مسلک اعتدال پر گامزن یہ سوادِ اعظم حضور ﷺ کی اس حدیث مبارکہ کا مصداق تھا جس میں آپ نے امت کی اکثریت کے لئے گمراہی سے بچنے کی خوشخبری بھی دی تھی۔

حضرت انس سے مروی حدیث نبوی کے الفاظ یہ ہیں:

إِنَّ أُمَّتِي لَا تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَةٍ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ إِخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ

(۱) بالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ.

”میری اُمت گمراہی پر کبھی جمع نہیں ہوگی، لہذا جب تم اختلاف دیکھو تو بڑی جماعت کے ساتھ ہو جاؤ۔“

چنانچہ دونوں طرف کی انتہاؤں میں تصادم کے کئی دور آئے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ آج بھی امت کے افتراک و انتشار کا سبب یہی مذہبی انتہا پسندی ہے۔ اس کی چنگاریاں ہمارے ہاں بھی مختلف شکلوں میں سلکتی نظر آتی ہیں۔ ہم نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ ان چنگاریوں کو شعلے نہ بننے دیا جائے اختلافات کی شدت کو کم کیا جائے اور امت کو قرآن و سنت کی روشنی میں اصل صورت حال سے آگاہ کیا جائے۔

اس تناظر میں میرے گزشتہ سال (۲۰۰۸ء) کے قیام کے دوران دو اجتماعات اور دو خطابات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ پچھلے دنوں جب سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان اقدس کے خلاف ایک روایت کا سہارا لے کر گستاخی کی گئی تو اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص سے ہم نے اس کا بھرپور تعاقب کیا۔ جرح و تعدیل، علم الاسناد اور اسماء الرجال کے علم اور حدیث کے جمیع تعلقات کی روشنی میں دو راتوں کی نشستوں میں میرا گیارہ گھنٹے کا خطاب ریکارڈ ہوا۔ وہ سیدنا مولا علی المرتضیٰ ﷺ کی شان اقدس اجاگر کرنے اور آپ کی شان میں گستاخی کے اس نئے فتنے کے تدارک کے لئے بڑی اہمیت کا حامل اجتماع تھا جو اس مرکز میں دو شب جاری رہا۔

اسی طرح دوسری سمت بھی فکر میں انتہا پسندی اور بعض جہتوں میں گمراہی کا تدارک کرنے کے لئے سیدنا صدیق اکبر ﷺ کے اسم گرامی سے منسوب یہ کانفرنس بغض صحابہ پر مبنی عقیدہ کو درست کرنے اور اسے اعتدال اور صحت پر لانے کے لئے بڑی اہمیت

(۱) ۱- ابن ماجہ، السنن، کتاب الفتن، باب السَّوَادِ الْأَعْظَمِ، ۲: ۱۳۰۳،

الرقم: ۳۹۵۰

۲- ابن أبي عاصم، السنة: ۴۱، الرقم: ۸۴

کی حامل ہے۔ اس پر بھی میں منہاج القرآن علماء کونسل کو دلی مبارک باد دیتا ہوں۔

شانِ صدیق اکبر ﷺ میں نازل ہونے والی آیات

میں نے اپنی گفتگو کی ابتداء میں سورۃ توبہ کی چالیسویں آیہ کریمہ کی تلاوت کی۔ سیدنا صدیق اکبر ﷺ کی شان میں تقریباً پندرہ (۱۵) آیات قرآنی نازل ہوئیں۔ آپ کی شان کا دفاع قدر و منزلت کا علو، آپ کی سوچ اور فکر کی موافقت اور آپ کے ساتھ اللہ رب العزت کی شفقت و ملاحظت ان ۱۵ آیات قرآنی کے نزول کے اسباب بنے۔ ان آیات کی تعداد زیادہ ہو سکتی ہے، کم نہیں۔ ان میں سب سے اہم آیت جو قرآن مجید میں شانِ صدیق اکبر ﷺ کے بیان کے لئے بڑی نمایاں اہمیت کی حامل ہے، سورہ توبہ کی یہی آیت ہے۔

آیہ مذکورہ کا سیاق و سباق

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سورہ توبہ باقی سورتوں کی طرح جو ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوئیں، مدنی سورۃ ہے اور سورۃ الانفال کے بعد آتی ہے۔ یہ سب مدنی سورتوں کا ایک تسلسل ہے۔ آقا ﷺ کے وصال مبارک کے آخری زمانہ تک اس سورۃ کی آیات کا نزول ہوتا رہا۔ آخری زمانے میں نزول اس سورۃ مبارکہ کے مضامین کی حتمی اہمیت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ بات اس سے بڑی relevant ہے جو میں کہہ رہا ہوں اور یہ ایک خاص نکتہ ہے جس کی طرف اہل علم کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

سورہ توبہ یوں شروع ہو رہی ہے:

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (۱)

”اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے بیزاری (و دست برداری) کا

اعلان ہے ان مشرک لوگوں کی طرف جن سے تم نے (صلح و امن کا) معاہدہ کیا تھا (اور وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے تھے) ۵

سن ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ ہوئی۔ اس آیہ مبارکہ میں اسی معاہدہ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ صلح حدیبیہ کے ایک ڈیڑھ سال بعد مشرکین اور کفار مکہ نے خود اس عہد کو توڑ دیا جس کے نتیجہ میں سن آٹھ ہجری کو فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا تو اس معاہدے کے مطابق امان دینے کا جو وعدہ اللہ رب العزت نے بدست رسول فرمایا تھا مشرکین مکہ کی طرف سے معاہدہ توڑے جانے پر اٹھا لیا۔ لہذا یہ سورۃ آپ کی حیات ظاہری کے دورِ اواخر میں نازل ہونے والی سورۃ ہے۔ سو جو کچھ اس سورۃ میں آئے گا وہ کسی چیز کا نسخ تو ہو سکتا ہے منسوخ نہیں ہو سکتا، لہذا قرآن مجید نے اس دور میں جو بات فرمادی وہ حتمی اور آخری بات تھی۔ حرف آخر تو قرآن کی ہر بات ہوتی ہے، مگر قرآن کے اندر بھی چونکہ نسخ و منسوخ کا عمل ہوتا ہے اس لحاظ سے جو کچھ اس سورۃ میں آگیا یہ ان کلمات میں سے ہیں جو حرف آخر کا درجہ رکھتے ہیں، نسخ ہیں اور ابد الابد تک امت کے لئے قطعیت کا مقام رکھتے ہیں۔

آیہ مبارکہ کے مضامین

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے بڑے لطیف پیرائے میں مختلف مضامین سمو دیتے ہیں جن کا تعلق شانِ رسالت مآب ﷺ سے بھی ہے اور شانِ ابوبکر صدیق ﷺ کے ساتھ بھی۔ ذیل میں حسب ترتیب کلمات باری باری ان پر بحث کریں گے۔

www.MinhajBooks.com ارشاد فرمایا:

ثَانِيًا اٰتَيْنِيْنِ اِذْهُمَا فِي الْعَارِ. (۱)

”دو آنحالیکہ وہ دو (ہجرت کرنے والوں) میں سے دوسرے تھے جبکہ دونوں

(۱) التوبة، ۹: ۴۰

(رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق ﷺ) غار (ثور) میں تھے۔“

یعنی وہ دو جنہوں نے ہجرت کی ان دو میں سے دوسرے تھے اور وہ ایک رسول اللہ ﷺ اور ایک سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ تھے۔

اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ.

”جب وہ رسول ﷺ اپنے ساتھی (ابوبکر صدیق ﷺ) سے فرما رہے تھے۔“

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا.

”غمزدہ نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

فَأَنْزَلَ اللَّهُ سُكْرَيْنِ عَلَيْهِ.

”پس اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل فرمادی۔“

وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا.

”اور انہیں (فرشتوں کے) ایسے لشکروں کے ذریعہ قوت بخشی جنہیں تم نہ دیکھ سکتے۔“

آج میں اس آیہ مبارکہ کے درمیانی حصہ پر بات کرنا چاہتا ہوں۔ قبل اس کے کہ میں تفاسیر کی طرف آؤں، میں طریقہ یہ رکھوں گا کہ اس ایک آیت کو لے لیں گے۔ پھر وقت ہوا تو دوسری آیت کو لیں گے اور پھر تیسری آیت کو، پندرہ کی پندرہ آیات کو یہاں زیر بحث لانا ممکن نہیں۔ اسی آیت کے ذیل میں تفاسیر کو بھی لیں گے، احادیث کو بھی لیں گے اور اس کے اندر جو مضمون بیان ہوا اس کی شرح کو بھی لیں گے۔ (ان شاء اللہ)

سیدنا صدیق اکبر ﷺ کی امتیازی شان

گفتگو کی ابتداء اللہ رب العزت کی توفیق سے یہاں سے کر رہا ہوں، ارشاد

فرمایا: فَأَنَّى اتَّيْنِ (وہ دو ہجرت کرنے والوں) میں سے دوسرے تھے)۔

إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ (جب وہ اپنے ساتھی (ابوبکر صدیق) سے فرما رہے تھے)۔

یہ قرآن مجید میں سیدنا صدیق اکبر ﷺ کا سب سے بڑا بیانِ فضیلت ہے اور یہ ٹائٹل کائناتِ صحابہ میں کسی اور کو عطا نہیں کیا گیا۔ اس میں دو تین چیزیں اللہ رب العزت نے بطور نص صریح خود اپنی زبان الوہیت سے صادر فرمادیں۔

الْحَمْدُ سے وَالنَّاسُ تک ایک لاکھ اور چودہ ہزار یا چوبیس ہزار صحابہ کی جماعت میں سے ابوبکر ﷺ ہی ایک فرد ہیں جن کی صحابیت پر اللہ رب العزت نے نص صریح کے ساتھ مہر تصدیق لگا دی۔ ان کو صحابی اللہ رب العزت نے خود قرار دیا ہے۔ کسی کے بارے میں آقا ﷺ نے بتایا کہ یہ میرے صحابی ہیں۔ کسی کی صحابیت کو تاریخِ اسماء الرجال اور سیر کی کتب کے ذریعے علماء نے جانا اور ہمیں بتایا کہ فلاں فلاں حضور کے صحابی ہیں، لیکن قرآن کی نص میں ایک ہی شخص ایسا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مصطفیٰ ﷺ کا صحابی ہے اور یہ صدیق اکبر ﷺ ہیں یعنی آپ کی صحابیت نص قرآنی سے ثابت ہے۔

اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ غارِ ثور میں دو ہی فرد تھے۔ پھر اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ وہ دو کون تھے۔ ایک تاجدار کائنات ﷺ تھے اور دوسرے سیدنا صدیق اکبر ﷺ تھے۔ اس پر اہل سنت اور اہل تشیع کے کل علماء تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں، نہ اہل تفسیر میں نہ اہل حدیث میں نہ اہل سیر و مغازی میں نہ اہل تاریخ میں۔ یہ بات طے ہوگئی کہ یہ چیز عند المسالک متفق اور مسلم ہے، معتبر ہے کہ وہ سیدنا صدیق اکبر ﷺ ہی تھے جن سے حضور ﷺ نے کلام فرمایا اور اس پر قرآن مجید میں ارشاد ہوا: إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ۔

صحابیتِ صدیق ﷺ سے انکار صریحاً کفر ہے

اب اگر کوئی شخص آپ کی صحابیت کا انکار کرے تو وہ اس نص قرآنی کے انکار کی وجہ سے کافر ٹھہرایا جائے گا۔ اس کے لئے مسلمان ہونے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔

کیونکہ اس نے انکار کی صورت میں سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ کی صحابیت کا انکار نہیں کیا بلکہ نصِ قرآنی کا انکار کیا ہے۔ باقی تمام مقامات جس جس کی شان میں بھی آئے ہیں تفسیر طلب ہیں، تاویل طلب ہیں، اس میں مختلف اقوال ہیں۔ مثلاً اسی آیہ مبارکہ میں فَانْزِلْ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔ مفسرین کی مختلف آراء ہیں کہ یہاں ہ کی ضمیر کا مرجع کون ہے؟ علیہ کا مرجع کون ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ہر چیز پر اقوال ہیں مگر جن دو باتوں پر کوئی دوسرا قول نہیں ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ فَاِنِّي اَتَيْنِي کہ حضور ﷺ کے ساتھ دوسرا کون تھا؟

۲۔ اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ کہ جب وہ اپنے صحابی سے فرما رہے تھے۔

یہ قول واحد ہے۔ پھر یہ بھی مسلم ہے کہ ان آیات مبارکہ کا کوئی نسخ نہیں۔ لہذا اس صحابیت پر بھی کوئی نسخ آیت نہیں ہے جو اس فرمان الوہیت، کا نسخ کرے۔ اب سیدنا صدیق اکبر ﷺ کی شان صحابیت کے انکار کے لئے فرمانِ خدا سے بڑی دلیل چاہئے، قرآن سے کوئی بڑی حجت چاہئے جو آپ کی صحابیت کا انکار کر سکے یا نسخ کر سکے۔ مگر نہ خدا سے بڑی کوئی باختیار ہستی ہے نہ قرآن سے بڑی کوئی دلیل ہے۔

جب قرآن نے دورِ اواخر میں آیات کے نزول میں ان کو صحابی کہہ دیا تو وہ پھر قیامت تک اور اس کے بعد تک صحابی ہی رہے کیونکہ صحابیت ابھی تک منسوخ نہیں ہوئی اور اگر معاذ اللہ بعد از وصال رسول ان کی صحابیت میں کوئی نقص واقع ہو جانا ہوتا تو عالم الغیب اللہ تبارک و تعالیٰ کبھی صحابی نہ کہتا۔ جس زبان نے آپ کو صحابی کہا وہ ماضی کو بھی دیکھ رہی ہے، مستقبل کو بھی دیکھ رہی ہے وہ عہد رسالتِ نبی کو بھی دیکھ رہی ہے اور بعد از وفات کیا ہونے والا ہے اس کو بھی دیکھ رہی ہے۔ وہ عہد صحابہ بھی دیکھ رہی ہے۔ بعد کا دور بھی اور اول کا دور بھی نگاہِ خدا کے سامنے ہے۔ جب سارے ادوار سامنے رکھ کر وہ خود فرما رہا ہے لصلحہ: ابوبکر تم صحابی بنا دیئے گئے، تو جس کو خدا نے صحابی بنایا اس کی صحابیت کو کوئی اس وقت تک رد نہیں کر سکتا جب تک وہ خود کو خدا سے بڑا ثابت نہ کر دے اور ایسا کبھی ہو

ہی نہیں سکتا۔

لہذا آپ کی صحابیت کا انکار کرنا مطلقاً صحابیت کا انکار کرنا ہے جو نص صریح کا انکار اور کفر ہے۔ کسی مسلمان کے لئے گنجائش نہیں کہ وہ آپ کی صحابیت کا انکار کرے۔ جب صحابیت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر ایمان لانا قرآن پر ایمان لانا ہے تو آپ کو سمجھنا چاہئے کہ صحابی کا مقام و مرتبہ اور عزت و تکریم کیا ہے اور صحابی کو صحابی ماننے کا حق امت پر کس نوعیت کا ہے۔ اس سلسلے میں جو لوگ احتیاط نہیں کرتے اور محض سنی سنائی باتوں کی وجہ سے اکابر صحابہ پر تنقید کرتے ہیں انہیں اپنے ایمان کی حالت پر غور و فکر کرنا چاہیے۔

مضاف اور مضاف الیہ کا ایمان افروز تعین

ثَانِي اثْنَيْنِ کی تفسیر میں ایک اور قابل غور نکتہ ہے یعنی ثانی اثْنین یہاں مضاف اور مضاف الیہ واقع ہوئے ہیں۔ یہ ایک خاص نکتہ ہے جس کی طرف مفسرین بالعموم نہیں گئے۔ میں نے بیشتر تفاسیر کو ممکنہ حد تک کھنگالا کہ جب یہ مضاف اور مضاف الیہ ہیں تو مفسرین مضاف کس کو ٹھہراتے ہیں اور مضاف الیہ کس کو ٹھہراتے ہیں۔ ثَانِي اثْنَيْنِ (دو کا دوسرا)۔ یا ان دو میں سے دوسرا۔ اس مضاف، مضاف الیہ کی تعین کا خیال مجھے بالکل آخر میں آیا۔ تھوڑے وقت میں ممکنہ حد تک تفاسیر کو کھنگالا۔ ممکن ہے کسی نے لکھا بھی ہو مگر قلیل وقت میں وہ نظر سے نہیں گزری۔ زیادہ وقت دینے سے شاید نکل آئے۔ خیر اس بحث میں کوئی نہیں پڑا کہ یہ مضاف مضاف الیہ ہے اور یہ مانا ہے کہ دو کا دوسرا۔ تو میں نے سوچا اگر یہ کہیں نہیں ملا تو ہم اس بحث کا آغاز خود ہی کرتے ہیں۔

ثَانِي مضاف ہے اثْنَيْنِ کا، جو مضاف الیہ ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ مضاف کون شخصیت ہے اور مضاف الیہ کون؟ مضاف الیہ تو معروف ہے کہ دو ہیں: اثْنَيْنِ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ یہ تو اثْنَيْنِ کا معنی ہو گیا۔ اس میں تو کسی دوسری رائے کی گنجائش نہیں۔ اب بحث طلب اور غور طلب نکتہ یہ ہے کہ ثانی سے مراد کون

ہے۔ اب جس مترجم کو بھی دیکھیں گے وہ یہی ترجمہ کرے گا اور میں نے بھی یہی کیا ہے: ”وہ دو ہجرت کرنے والوں میں سے دوسرے تھے۔“ اب اس کے دو ہی امکان ہو سکتے ہیں کیونکہ تیسرا تو فرد ہی نہیں ہے۔ ثَلَاثٌ ثَلَاثَةٌ کی تو نوبت ہی نہیں آتی۔ فرد دو ہیں آقا ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر ﷺ لہذا مضاف (ثانی) سے مراد آقا ﷺ ہیں یا سیدنا صدیق اکبر ﷺ؟ مضاف (ثانی) سے اگر مراد آقا ﷺ کی طرف لی جائے تو اس کے وجوہ اور اسباب ہیں۔ اسی آیت کے سیاق و سباق میں اَلَا تَنْصُرُوهُ میں ءُ کی جو ضمیر ہے اس کا مرجع حضور نبی اکرم ﷺ ہیں۔ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ میں ءُ کی ضمیر آقا ﷺ کے لئے ہے۔ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا میں بھی ءُ کا مرجع آقا ﷺ ہیں۔ تو سیاق میں اور پھر سباق میں آقا ﷺ کا مراد لینا بھی جائز بنتا ہے کیونکہ ان ضماز کا مرجع حضور نبی اکرم ﷺ ہیں۔

دوسرا امکان یہ ہو سکتا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر ﷺ کو مراد لیا جائے۔ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ (جب وہ اپنے صاحب سے فرما رہے تھے)۔ اس میں اور لَا تَحْزَنْ میں، ثَانِيْ اَثْنَيْنِ کے بعد آیا اِذْهُمَا فِي الْغَارِ اور اس کے بعد آیا لَا تَحْزَنْ، تو اس کے مخاطب بھی سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ ہیں۔ پھر جو گھبراہٹ آئی وہ آقا ﷺ کے قلب اطہر میں نہ تھی۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا میں جو معیت خاصہ کا وعدہ کیا گیا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے یہ بھی آقا ﷺ نے خطاب کیا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخبر ہوتے ہوئے سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ کو بتا رہے تھے یہاں بھی آقا ﷺ کی طرف اس کا رجوع ہوگا۔ دوسرا سبب اور جہ مرجوع ہوگی۔ مگر دونوں کا جواز موجود ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس سے مراد آقا ﷺ کو لیا جائے، ثَانِيْ اَثْنَيْنِ کے ساتھ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ یہ اس کے اَرْجَحِ ہونے کے قوی ثبوت ہیں اور گذشتہ ضماز بھی میں نے بتائے ہیں جن کا مرجع آقا ﷺ کو مراد لینا اَرْجَحِ ہے۔ ضماز سیاق و سباق اس کو تقویت دیتے ہیں۔ اس صورت میں ثَانِيْ اَثْنَيْنِ کا معنی یہ ہوگا: ”دو میں سے دوسرا“ یعنی آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام جب وہ غار میں تھے اور اپنے

صحابی سے فرما رہے تھے کہ ابوبکر! نہ گھبرا، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اس میں ثانی سے مراد آقا ﷺ ہیں۔ تو اگر یہ مراد ہو تو اس نص کا دلالت، اشارت اور اقتضاء ذہن کو ایک سمت لے جاتی ہے کہ اللہ رب العزت اپنے کلام میں حضور ﷺ کو فرما رہے ہیں کہ ان دو میں سے دوسرا اپنے صحابی اور ساتھی کو یہ فرما رہا تھا: اے ابوبکر! نہ گھبرا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اِثْنِیْن میں صدیق اکبر ﷺ کی اَوَّلِیَّت پہلی توجیہ

گویا اِثْنِیْن میں ثانی حضور نبی اکرم ﷺ کو فرمایا اور آقا ﷺ مرتبے میں تو ثانی ہونہیں سکتے، مرتبے میں تو وہی اول ہیں، وہ تو ثانی ہیں اِثْنِیْن کے عدد میں۔ تو اگر دوسرے سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہوئی پہلے سے مراد کون ہے؟ کیونکہ جب تک کوئی اول نہ ہو ثانی ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لحاظ سے اول ابوبکر صدیق ﷺ بنے اور یہ بھی طے ہے کہ صدیق اکبر ﷺ کی اولیت مرتبے میں تو ہونہیں سکتی تو پھر اولیت کس میں ہوئی؟

گویا حضور نبی اکرم ﷺ کو ثانی کہہ کر اللہ رب العزت نے یہ مہر ثبت کر دی کہ مرتبے میں تو مصطفیٰ ﷺ اول ہیں مگر ابوبکر ﷺ وفا میں تو اول ہے، غلامی میں تو اول ہے، میرے محبوب کی حفاظت میں سب کچھ لٹا کر چھوڑ کر آ جانے میں تو اول ہے، محبت میں تو اول ہے، ہجرت میں تو اول ہے، وفا میں تو اول ہے، ایثار میں تو اول ہے، جانثاری میں تو اول ہے، لہذا ابوبکر وفا میں اول ہوئے اور جب وفا میں اولیت صدیق اکبر ﷺ کی ہوئی تو دیکھئے ان کی فضیلت کہاں سے کہاں جا پہنچی؟

دوسری توجیہ

ثانی اِثْنِیْن میں ثانی سے مراد حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ کسی کو دوسرے کا ٹائٹل دینا یا دوسرا کہنا بھی ایک معنی رکھتا ہے اور اس کے اسباب ہو سکتے ہیں کہ دوسرا کیوں کہا۔ یہ آیت ہجرت مدینہ کے بعد اتری۔ ہجرت مدینہ تو اس وقت ہوئی جب آقا ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ آیت اتری ہے مدینہ طیبہ میں یعنی بعد

میں۔ اس کا مطلب ہے غار ثور کا واقعہ اس وقت بیان ہو رہا ہے جب وہ ہو چکا ہے۔ اب میں اس کی دوسری توجیہ کر رہا ہوں کہ باری تعالیٰ نے ثانیِ اثْنین میں اپنے محبوب کو ثانی کیوں کہا؟ پہلی توجیہ تو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ اب دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے:

باری تعالیٰ! بے شک غار میں دو تھے لیکن دو میں سے دوسرا محبوب کو کیوں فرمایا؟ آیات زبانِ حال سے جواب دیتی ہیں کہ تم نے غور نہیں کیا؟ کہ وہ دو غار ثور میں واقعہ داخل کیسے ہوئے تھے؟ اور کیوں ہوئے تھے؟ اس نکتے کو سمجھنے سے پہلے آئیں ہم سفر ہجرت کی نوعیت کو ذہن میں لائیں۔ جب آقا ﷺ مکہ سے چلے آ رہے تھے تو آپ کے ساتھ ابوبکر ﷺ اکیلے تھے۔ تمام کتب سیر میں، کتب حدیث میں اور کتب تاریخ میں اہل سنت اور اہل تشیع کی جملہ کتب میں میں نے خود پڑھا ہے، سب کہتے ہیں اور اس پر اختلاف نہیں کہ سیدنا صدیق اکبر ﷺ آقا ﷺ کی حفاظت اس طرح کر رہے تھے کہ کبھی آپ آگے چلتے کبھی پیچھے ہو جاتے، کبھی دائیں ہو جاتے کبھی بائیں ہو جاتے۔ آقا ﷺ نے پوچھا: ابوبکر سمجھ نہیں آ رہی کبھی میرے آگے ہو جاتے ہو کبھی پیچھے ہو جاتے ہو، کبھی دائیں کبھی بائیں یہ میرے ارد گرد گھوم گھوم کر چل رہے ہو اس کی وجہ کیا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کی ذات اقدس اور جانِ پاک کے لئے دشمنوں کا خطرہ مسلسل میرے دل میں ہے۔ کبھی خیال آتا ہے کہ کوئی دشمن آگے سے حملہ کرنے نہ آ جائے تو آقا دوڑ کر آپ کے آگے ہو جاتا ہوں۔ آگے چلتے چلتے خیال آ جاتا ہے کوئی پیچھے سے وار نہ کر دے تو خیال کرتے ہی پیچھے ہو جاتا ہوں کہ پہلے مجھے تیرا درتلواری لگے۔ کبھی خیال آتا ہے کوئی دائیں طرف سے نہ آ جائے۔ ہوں اکیلا آپ کے ساتھ، کوئی دوسرا ہے نہیں سو کبھی دائیں ہو جاتا ہوں اور کبھی خیال آتا ہے تو بائیں ہو جاتا ہوں اس طرح چاروں طرف آپ کے گرد گھومتا ہوں۔ سبحان اللہ! محبوبِ کبریا کی حفاظت جاں نثاری اور محبت کے یہ انداز دیکھ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو ابوبکر پر کتنا پیار آ رہا ہوگا خود حضور ﷺ اپنے اس بے لوث دوست کی معیت اور محبت کو کتنی قدر کی نگاہ سے دیکھ رہے ہوں گے۔

سفر تو اس طرح سے طے کیا۔ اب آگیا غار کا دہانہ۔ جب غار میں داخل ہونے کی بات ہوئی تو قرآن کہتا ہے: اذھما فی الغار: جب دونوں غار میں تھے۔ یہ غار کے اندر ہونے کی بات ہے۔ میرا وجدان کہتا ہے یہ ان لمحات کا بیان ہے جب وہ غار میں تھے اور ثانی اثنین کی جو ترکیب ہے، یہ اشارہ ہے غار میں داخل ہونے کی ترتیب کی طرف۔ سوال یہ پیدا ہوا تھا کہ حضور کو ثانی کیوں کہا اور ابوبکر ﷺ اول کیسے ہو گئے؟ تو جواب آتا ہے: تم نے غار ثور کا منظر نہیں دیکھا؟ راستے میں تو آگے پیچھے دائیں بائیں صدیق اکبر ﷺ چلتے رہے، اب غار ثور آگئی، یہاں عشق کا ایک اور امتحان تھا محبت خلوص اور وفا کا ایک اور امتحان تھا۔ قربان جائیں ابوبکر ﷺ کے عشق پر جس نے انہیں اس گھاٹی سے بھی کامیابی کے ساتھ گزار دیا۔ غار میں داخل ہونے کا وقت آیا تو ابوبکر ﷺ نے عرض کیا: آقا! آپ باہر رہیں پہلے میں جاؤں گا۔ ممکن ہے کوئی سانپ یا اور مہلک چیزیں ہوں سوراخ ہوں۔ تو جس نے ڈسنا ہے میری جان لے لے۔ اس لیے پہلے میں جاؤں گا آپ ٹھہرے رہئے۔ جب آپ کو بلاؤں تب آپ غار میں تشریف لائیے۔ تو غار میں داخل ہونے والا پہلا ابوبکر ﷺ تھا۔ حضور ﷺ کی جان کے تحفظ کے لئے اندر گئے جہاں سوراخ نظر آتا اپنے کپڑے پھاڑ کر اس سوراخ کو بند کر لیتے۔ پھر اور سوراخ نظر آتا تو آپ ادھر کپڑے پھاڑ کر اسے بند کر دیتے۔ سارے سوراخ اپنے کپڑے پھاڑ کر بند کر دیئے۔ ایک سوراخ بچ گیا اس کے لئے اضافی کپڑا نہ بچا کہ ستر بھی تو رکھنا ہے۔ تو وہاں اپنی ایڑھی رکھ دی کہ اگر کوئی سانپ ہے تو آ کر مجھے ڈس لے، میرے محبوب کو نہ ڈسے۔ سارے سوراخ بند کر لیے۔

دو میں سے اول پہلے اندر گیا۔ تب عرض کیا آقا! اب آپ آجائیے۔ اس طرح غار میں داخل ہونے کے اعتبار سے حضور دو میں سے دوسرے ہوئے۔ اور ثانی اثنین کہہ کر صدیق کی وفا کا حال بیان کر دیا۔ اس طرح دراصل ایک بڑا لطیف اشارہ کیا کہ کسی کا ذہن اس طرف جائے اور سوچے کہ حضور دو میں سے دوسرے کیوں ہوئے۔ تو

اشارہ کیا اس لئے ہوئے کہ ابوبکر ﷺ نے روک دیا تھا کہ حضور پہلے اگر کوئی جان لیوا چیز ہے تو مجھے اپنی جان دینے دیجئے۔ بعد میں آپ آئے۔ تو غار میں داخل ہونے میں آقا ﷺ دوسرے تھے اور جان دینے کے لئے ابوبکر ﷺ پہلے تھے اس جہت میں ضماں اور سیاق و سباق قوی دلالت کرتے ہیں کہ آقا ﷺ ہی کو مراد لیا جائے اس لئے میں نے اسے ارنج کہا اور قرآن مجید کا سیاق بھی یہی تقاضا کرتا ہے کہ ارنج بات تھی۔

ثانی اثْنین کی دوسری تفسیر

اب دوسری تفسیر کا امکان بھی چونکہ رد نہیں ہو رہا۔ تو اگر امکاناً ثانی سے مراد سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ کو لیا جائے تو اوّل حضور ﷺ ہوئے۔ اس دوسرے امکان مرجعیت کی بنیاد پر قرآن کی نص وارد ہوئی کہ محبوب تمہارے بعد شان میں ثانی ابوبکر ﷺ ہے، یہ توجیہ مرجوع ہے۔ امکان کے لئے میں نے بیان کر دیا اور ارنج پہلے بتا دیا۔ یہ ثانی اثْنین کی تفسیر ہے۔

هُمَا کی ضمیر سے معیت دائمی پر استدلال

اسی آیت کے اندر دوسرا نقطہ توجہ طلب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ میں هُمَا کی ضمیر میں دونوں کا یکجا ذکر کر دیا۔ قرآن اور حدیث نبوی میں بہت کم ایسا ہوتا ہے: اللہ تعالیٰ اپنا ذکر کرتے ہوئے اس ایک ضمیر میں کسی مخلوق کو ساتھ شامل نہیں فرماتا۔ بالعموم طریقہ یہی ہے اللہ اپنا ذکر کرے اور حضور نبی اکرم ﷺ کا ذکر بھی ہو اور ہما شنیہ کے صیغے میں دونوں کا ذکر اکٹھا ہو جائے، قرآن و حدیث میں ایسا بالعموم نہیں ہوتا۔ مگر متفق علیہ حدیث میں اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ ایک ضمیر میں جمع کئے گئے ہیں، جہاں فرمایا:

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ: أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، وَأَنْ يَكْرَهُ

أَنْ يُعَوِّدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقَذَّفَ فِي النَّارِ. (۱)

”جس شخص میں تین خصلتیں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس کو پالے گا: اللہ ﷻ اور اس کا رسول ﷺ اسے باقی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں، جس شخص سے بھی اسے محبت ہو وہ محض اللہ ﷻ کی وجہ سے ہو، کفر سے نجات پانے کے بعد دوبارہ (حالتِ کفر میں لوٹنے کو وہ اسی طرح ناپسند کرتا جیسے وہ خود کو آگ میں پھینکا جانا ناپسند کرتا ہو۔“

اس حدیث مبارکہ میں لفظ ھما کی ایک ہی ضمیر استعمال کی گئی ہے جو تثنیہ کا صیغہ ہے جس میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو جمع کیا گیا ہے۔ پھر رسول ﷺ کی شان تو اس سے بھی ماوراء ہے یہ تو تثنیہ کے صیغے میں جمع کیا۔ رسول ﷺ کا ذکر تو قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے کئی مقامات پر اپنے ساتھ واحد کی ضمیر میں فرمایا۔ اسی سورۃ توبہ میں بھی صرف ضمیر واحد میں اپنے اور اپنے حبیب کو جمع کر دیا۔ وہاں تو صیغہ بھی تثنیہ کا نہیں کیا۔ کئی جگہوں پر توحید ضمیر ہے۔ یعنی ایک ہی ضمیر ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْهُ. (۲)

”اللہ اور اس کا رسول زیادہ حقدار ہے کہ اُسے راضی کیا جائے۔“

”اُسے“ کہہ کر بیک وقت خدا اور مصطفیٰ ﷺ دونوں مراد لے لیے۔ وہ تو یہ مقام ہے مگر ھما میں بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے سوا کسی اور مخلوق کو شامل نہیں

(۱) ۱- بخاری، الصحيح، کتاب الایمان، باب حلاوة الایمان، ۱: ۱۴،

رقم: ۱۶

۲- مسلم، الصحيح، کتاب الایمان، باب بیان خصال من اتصف بہن

وجد حلاوة الایمان، ۱: ۶۶، الرقم: ۴۳

(۲) التوبة، ۹: ۶۲

فرمایا جاتا۔ احادیث میں اس طرح بھی آیا ہے: اَنَا وَ أَبُو بَكْرٍ وَ عُمَرُ۔^(۱)

یعنی ذکرِ واؤ عاطفہ کے ساتھ کر دیتے ہیں مگر ایک ہی ضمیر جو تثنیہ کا صیغہ ہے۔ اس میں اللہ رب العزت نے آقا ﷺ کو اور سیدنا صدیق اکبر ﷺ دونوں کو الگ الگ ذکر کرنے کی بجائے یکجا کر دیا۔ درمیان میں واؤ عاطفہ نہیں لائی کیونکہ واو عاطفہ تغائر یعنی مغائرت اور جدائی چاہتی ہے۔ اس واؤ عاطفہ کی بجائے ایک ہی ضمیر جو تثنیہ کا صیغہ ہے اس میں جمع کر کے سیدنا صدیق اکبر کا بارگاہِ مصطفویٰ میں مقامِ معیت اور مقامِ جمع کا بیان فرما دیا ہے۔ یعنی ان کو بارگاہِ مصطفیٰ میں شانِ جمع حاصل تھی اور ان کی معیت حضور ﷺ کے ساتھ اس درجہ کی تھی کہ وہ آقا ﷺ کی ذاتِ اقدس میں فنایت سے متصف تھی رب کائنات دو کو یکجا ذکر فرما کر دراصل معیتِ تامہ اور معیتِ دائمی کی طرف اشارہ فرما رہا ہے۔ جس کو رب اپنے رسولِ مکرم سے اتنا قریب کر دے جو وہ شخص کبھی بھی زندگی میں تادمِ وفات اس رسول سے صدق و وفا میں دور نہیں ہو سکتا بلکہ بعد از وفات بھی دونوں ایک جگہ جمع ہیں اور قیامت کے دن بھی اسی ایک جگہ سے اُٹھیں گے۔

یہ اللہ رب العزت کے فرامین ہیں کسی اور کی کبھی ہوئی باتیں نہیں۔ اب یہاں آ کر فرمایا جب آپ اپنے صحابی، اپنے صاحب سے فرما رہے تھے: لَا تَحْزَنَنَّ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (گھبرا نہیں، غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے)۔ مَعَنَا میں پھر جمع کے صیغہ میں دونوں کو یکجا کر کے معیت و قربت کا اظہار فرمایا۔

ایشائِ نفس سے فنایت کا حصول

سیدنا صدیق اکبر ﷺ کی پریشانی طے شدہ ہے۔ اہل سنت اور اہل تشیع کے ہر مفسر نے لکھا ہے کہ پریشانی انہیں اپنی جان کی نہ تھی، آقا ﷺ کی جانِ پاک کی

(۱) بخاری، الصحيح، کتاب المزارعة، باب استعمال البقر للحراثة، ۲:

تھی۔ ویسے بھی جب حزن ہوتا ہے تو دوسرے کے لئے ہوتا ہے، اپنی ذات کے لئے خوف ہوتا ہے۔ جب کسی محبوب کے لئے ہو تو وہ حزن ہوتا ہے۔ تو فرمایا لا تحزن یعنی میری جان کا میری زندگی کا غم نہ کر۔ اِنَّ اللہَ مَعَنَا۔ غم صرف حضور ﷺ کی جان پاک کا ہے مگر معیتِ الہیہ کا جب ذکر کیا جو اس کی معیت خاصہ ہے تو چاہئے تھا جب پیچھے اَلَا تَنْصُرُوہُ میں ضمیر واحد کی آرہی تھی۔ فَقَدْ نَصَرَهُ اللہُ میں بھی ضمیر واحد کی آرہی تھی۔ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (جب کافروں نے نکالا)۔ تو یہاں بھی ضمیر واحد کی آرہی تھی، غم اور خوف بھی واحد حضور ﷺ کی جان اقدس کا تھا، اپنی جان کا خوف ہوتا تو غار میں پہلے داخل ہی نہ ہوتے، اپنی جان کا خوف ہوتا تو سارے کپڑے پھاڑ کر اپنی ایڑھی سانپ کے سوراخ کے منہ پر نہ رکھتے، جب ایڑھی اس اڑدھا کے سوراخ کے منہ پر رکھ دی تو ثابت ہو گیا کہ صدیق اکبر ﷺ کو اپنی جان کا تو غم تھا ہی نہیں۔ غم تھا تو مصطفیٰ ﷺ کا غم تھا تو چاہئے تھا کہ جواب یوں آتا کہ صدیق! غم نہ کر، اللہ میرے ساتھ ہے وہ مجھے بچالے گا۔ تو میری جان کا خوف کر رہا ہے، میری جان کو کوئی خطرہ نہیں، میری جان کی مدد کرنے والا اللہ ہے، میری زندگی بچانے والا اللہ ہے، میرے ساتھ اللہ ہے، یعنی مقتضائے حال یہ ہے کہ چونکہ غم جانِ مصطفیٰ کا ہے وہ دفاعِ جانِ مصطفیٰ ﷺ چاہتے ہیں تو فرماتے: اِنَّ اللہَ مَعِیْ کہ ”اللہ میرے ساتھ ہے“ مگر جب اللہ کی معیت خاصہ کی نعمت عطا کرنے کا وقت آیا، ہرچند کہ موضوعِ جانِ مصطفیٰ تھی، موضوعِ حضور کی جان پاک تھی اور آپ کی حیاتِ طیبہ تھی۔ موضوعِ صدیق اکبر کی جان نہ تھی سیدنا صدیق اکبر کی جان کا خطرہ نہ تھا۔ لہذا سیاق اور تقاضاے کلام یہ تھا کہ فرماتے اللہ میرے ساتھ ہے۔

جب معیتِ خاصہ کی نعمت دینے کا وقت آیا تو حضور نے گوارا نہ کیا کہ میرا وہ وفادار صحابی جو میرے لئے اڑدھا کے سوراخ کے سامنے اپنی ایڑھی رکھ کر اپنی جان سانپ کو دے کر بیٹھا ہے جس کی محبت کا، وفا کا اور جس کی کل قربت کا، معیت کا اور میرے ساتھ تعلق کا یہ عالم ہے کہ خود کو میرے لئے فنا کر کے بیٹھا ہے جب اس کی معیت کی باری

آئے تو میرا ذکر الگ ہو اور اس کا ذکر الگ ہو۔ کیونکہ جسے خدا کی معیت مل جائے وہ پھر ثانی نہیں رہتا، فانی ہو جاتا ہے۔ فنا تو وہ ہو گئے تھے جب داخل ہو گئے اور کپڑے پھاڑ کر سوراخ بند کر دیے اور ایڑھی رکھ دی اس اژدھا کے آگے تو انہوں نے اپنی فنایت کا ثبوت تو دے دیا کہ وہ خود سے فنا ہو گئے۔ جسے اپنی جان کی فکر نہ رہے فقط محبوب کی جان کی فکر رہے اسی کو فنا کہتے ہیں۔ ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر غار میں اول داخل ہونے کے ایثارِ نفس نے انہیں فنا فی الرسول کی منزل تک پہنچا دیا۔

فنا کے بعد بقاے دوام کا انعام

اب رسول اللہ ﷺ کی معیت میں فانی ہو جانے کے بعد اللہ کی معیت میں چونکہ اب باقی رہنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اب فنا کے بعد عطا کرنی تھی۔ ویسے بھی جسے اللہ تعالیٰ کی معیت خاصہ مل جائے اور وہ پہلے مرتبہ فنا میں ہو تو معیت خاصہ اسے فنا سے اٹھا کر بقا تک لے جاتی ہے۔ اب إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا کی بجائے اگر فرما دیتے کہ ”میرے ساتھ اللہ ہے“ تو اس کا مطلب ہوتا کہ معیت تامہ اور بقاے دوام کا انعام حضور ﷺ کے لیے مختص ہے۔ اس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شامل نہ ہو سکتے لیکن قربان جائیں اللہ اور اس کے رسول کی محبت نوازیوں پر اس نے معیت میں بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول ﷺ کے ساتھ شامل کر دیا۔ مصطفیٰ ﷺ تو پہلے بھی باقی تھے بعد میں بھی باقی ہیں اور حضور ﷺ کی بقاء سے تو کبھی انکار کا مسئلہ تھا ہی نہیں۔ رسول اور نبی فنا سے دو چار نہیں ہوتے، کجا سرورِ انبیاء کی شان بقا اور شانِ معیتِ الہیہ..... لہذا یہ تو مسئلہ ہی نہ تھا۔

اصل بات تو اس بندہ خاص ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت کو دوام دینے کی تھی۔ اس لیے جب معیتِ الہیہ خاصہ کی بات آئی تو آپ ﷺ کی شانِ وفانے، جزاء نے، احسان نے، سخا نے، عطا نے گوارا نہ کیا کہ جب معیتِ الہیہ کا وقت آئے مجھے بقا ملے اور وہ فانی رہے؟ معنا کہہ کر فرمایا کہ اللہ کی معیت ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ ابوبکر! اگر میں باقی رہوں گا تو تو بھی باقی رہے گا اگر اللہ کی معیت خاصہ مجھے بقا دے گی تو تمہیں بھی بقا دے

گی اور تمہیں کون سی بقا دے گی؟ مَعْنَا جمع کا صیغہ ہے، پھر اضافت ہے چونکہ فَا دونوں کے لئے ہے حضور ﷺ کے لئے بھی اور سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ کے لئے بھی۔ مَعْنَا صیغہ متکلم ہے، جمع کے فائیں دونوں شامل ہیں، تَوَمَع میں بھی دونوں شامل ہیں۔ اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جب اللہ دونوں کے ساتھ ہے تو مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ اور طریقے سے ہو اور دوسرے کے ساتھ اور طریقے سے ہو۔ چونکہ وہ پہلے فرما چکا ہے: ثَانِي اثْنَيْنِ (دو میں سے دوسرا مصطفیٰ ہے)۔ تو یہ نہیں ہو سکتا کہ جب وہ اپنی شان معیت کے ساتھ ورود فرمائے تو مصطفیٰ کو ایک الگ چشمہ معیت میں سے دے اور ابوبکر کو کسی اور چشمہ معیت میں سے دے چونکہ مَعْنَا ایک کلمہ ہوا سو معیت کا وہ چشمہ بھی ایک ہوگا۔ جس سے مصطفیٰ ﷺ نے پیا اسی چشمہ معیت سے صدیق باوفا نے بھی پیا۔ جو بقا اپنی شان رسالت کے ساتھ تاجدارِ کائنات کو ملی وہی بقا شان صدیقیت کے ساتھ اس غلام تاجدار کائنات کو ملی۔

اب اس مَعْنَا نے معیت اور فنایت کا مقام واضح کر دیا کہ آپ کا مقام، معیت کا تھا جو فنایت میں بدل دیا گیا۔ جب اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ تَہَا تو معیت تھی اور جب فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا تو معیت فنایت میں بدل گئی۔

معیت کی دو اقسام

معیت کی دو اقسام ہیں: ایک معیت عامہ ہے جو ہر مؤمن کو حاصل ہے۔ سورۃ قاف کی آیت نمبر ۱۶ میں فرمایا:

وَنَحْنُ اقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝

”اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں ۝“

سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۴ میں فرمایا:

هُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ.

”وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔“

گویا معیت عامہ ہر شخص کو اللہ نے دے دی وہ جہاں بھی ہے اللہ اس کے ساتھ ہے۔ پھر ایک معیت خاصہ ہے جو انبیاء کو حاصل ہوتی ہے مثلاً سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمْ أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ۝ (۱)

”تم دونوں نہ ڈرو بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں (سب کچھ) سنتا اور دیکھتا ہوں۔“

میں سن رہا ہوں تم کیا کہہ رہے ہو اور میں دیکھ رہا ہوں دشمن کیا کہتے اور کیا کرتے ہیں۔ سب سنتا دیکھتا ہوں۔ یعنی یہاں اللہ تعالیٰ خود متکلم ہے، یہ معیت خاصہ ہے۔

مخاطب کی بجائے متکلم کا صیغہ کیوں؟

اب ذرا غور کریں نہایت دلچسپ پیرایہ ہے۔ غارِ ثور میں بھی معیت خاصہ کا بیان ہے مگر اللہ نے بیان کا اسلوب بدل دیا۔ فرمایا اگر میں کہوں گا تو میں تو اسی طرح کہوں گا جیسے میں نے موسیٰ اور ہارون کو کہا تھا: إِنِّي مَعَكُمْ - كُنَّا - یہ جو دو کی ضمیر ہے اس میں پھر تشنیہ کی وجہ سے ایک فرق اور دوئی قائم رہتی ہے مخاطب کے صیغوں (ك، كُنَّا، كُمْ) میں ایک فرق قائم رہتا ہے کہ ”میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔“ صیغہ اگر مخاطب کا ہو تو پھر تین طریقے سے کہا جاتا ہے۔ تنہا ہے تو کہتا ہے مَعَكَ، دو ہوں تو کہا جاتا ہے: مَعَكُمْ، تین یا زائد ہوں تو کہا جاتا ہے: مَعَكُمْ۔ جیسا کہ اوپر آیت میں ذکر

ہوا۔ تو جب کسی کو صیغہ تکلم میں مخاطب ٹھہراؤں گا، تو اگر دو کی بات ہے تو میں کُما کہوں گا جیسے میں نے موسیٰ اور ہارون کو کہا تھا۔ کُما کہنے سے دوئی کا ایک تصور برقرار رہتا ہے اس لئے یہاں کُما کا صیغہ استعمال نہیں کیا حالانکہ یہاں بھی قرینہ یہی بنتا تھا۔ یہاں وہ قاعدہ اور اصول کیوں بدل دیا فرمایا: محبوب! وہ موسیٰ تھے یہ آپ ہیں۔ وہ حضرت ہارون علیہ السلام تھے، یہ تیرا ابوبکر ہے۔ لہذا اب یوں کرتا ہوں کہ آیت اُدھر بھی میں نے اتاری تھی یہاں بھی میں اتار رہا ہوں مگر اُدھر متکلم بھی میں خود تھا اور مخبر بھی میں خود تھا۔ یہاں یوں کرتے ہیں کہ کلام میں نازل کرتا ہوں مخبر آپ بن جائیں۔ آپ مخبر ہو کر جب میری خبر دیں گے تو آپ آپس میں کُما نہیں کہیں گے (کہ اللہ تم دونوں کے ساتھ ہے)۔ آپ صیغہ متکلم میں بولیں گے اور قاعدہ یہ ہے کہ مخاطب اگر تثنیہ ہو تو کُما اور جمع ہو تو کُما اور اگر خود متکلم آجائے تو کلمہ واحد رہتا ہے یا جمع، تثنیہ اڑ جاتا ہے۔ عربی میں یا واحد متکلم انا ہوتا ہے یا پھر جمع متکلم کے لئے نَحْنُ کا صیغہ ہوتا ہے۔ لہذا یہاں جمع کا اسلوب اپنا کر دو کا ذکر کیا کیونکہ جمع میں دو بھی آتے ہیں اور زیادہ بھی آجاتے ہیں۔ محبوب آپ کہیے: اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کہ اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ جب میں آپ سے خطاب کر رہا تھا تب تک آپ دو تھے۔ جب خدا کی معیت آگئی تو مصطفیٰ اور ابوبکر ہیں تو اپنے اپنے مقام میں الگ الگ مگر اس معیت اور فنائیت نے انہیں اتنا قریب کر دیا ہے کہ اب وہ معیت کے مقام پر دو نہیں ایک ہو گئے ہیں۔ جمع ہو گئے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ دیگر انبیاء کا اسلوب اپناتا تو فرماتا: ابوبکر! لَا تَحْزَنْ اِنِّیْ مَعَكُمْ (غم نہ کر میں تم دونوں کے ساتھ ہوں)۔ فرمایا: نہیں، محبوب! موسیٰ سے تو یہی بات کی تھی، اب تمہارے ساتھ بات بدل کے کرتا ہوں۔ وہ یوں کہ محبوب! کلام میرا ہی ہے لیکن مخبر آپ ہوں گے۔ اب یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضور ﷺ نے خود تو صیغہ نہیں بدلا، کیونکہ کلام الہی ہے، اس نے اتارا ہی اس طرح ہے جیسے زبان مصطفیٰ ﷺ سے بات نکل رہی ہے۔ اس نے کلام ہی اس انداز سے کیا کہ وہ بات زبان مصطفیٰ ﷺ سے نکلتی ہوئی لگ رہی ہے۔ اگر کلام و خطاب خود کرتا تو اِنِّیْ مَعَكُمْ کہنا پڑتا، اب کلام اس کا اترا اور خطاب حضور کر رہے تھے: یَقُولُ لِصَاحِبِهِ۔ جب

حضور ﷺ نے خطاب کیا تو کُما نہیں کہہ سکتے تھے، اس لئے کہنا پڑا: اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ وہ جو کُما میں غیریت تھی مَعَنَا میں مٹا دی گئی۔ دوئی نہ رہی۔ ابوبکر نے خود کو مصطفیٰ کی ذات میں یوں فنا کیا کہ رب نے مصطفیٰ ﷺ کی مصطفائیت میں صدیق اکبر کی صدیقیت کو بقا عطا کر دی۔

حضرات گرامی! قرآن مجید کی آیہ مبارکہ کے کچھ لطیف تفسیری نکات تھے جو آپ کے گوش گزار کئے۔ اب آیت مبارکہ کے اگلے حصے کی طرف آتے ہیں۔

سکینۃ کا نزول کس پر ہوا؟

ارشاد فرمایا گیا: فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ (اللہ نے ان پر اپنی سکینت یا سکون نازل فرما دیا)۔ اس پر مختلف اقوال ہیں، بعض ائمہ نے کہا کہ عَلَیْہ سے مراد حضور ﷺ ہیں کہ حضور ﷺ پر سکینت نازل ہوگئی۔ مگر حضرت ابو العالیہ تابعی اور امام کلبی اور بعض دیگر مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ ہیں۔

یہ دو اقوال ہیں جو تمام تفاسیر میں آئے ہیں۔ ہر ایک نے اپنے اپنے دلائل دیے ہیں۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ وہ سکینت اور سکون جو قلب پر نازل ہوا وہ حضور ﷺ پر ہوا۔ سکون قرار کو کہتے ہیں اور جسے قرار مل جائے پھر وہ برقرار رہتا ہے۔ استقرار ہو تو استمرار بن جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا: تابعین سے لے کر متاخرین مفسرین تک یہی دونوں اقوال ہیں۔ بعضوں نے کہا: حضور ﷺ مراد ہیں؛ اور بعضوں نے کہا: سیدنا ابوبکر ﷺ مراد ہیں۔ چونکہ یہ ائمہ کے اقوال ہیں سو اپنے اپنے دلائل میں دونوں حق ہیں۔ ہمارا یہ طریقہ ہے کہ ائمہ جب بات کرتے ہیں تو ہمارا سر تسلیم ان کے اقوال کے سامنے خم ہو جاتا ہے مگر کچھ انسان کے اپنے فہم کی ترجیحات بھی ہوتی ہیں۔ میں جب اس کو اس سیاق و سباق میں دیکھتا ہوں تو میرا رجحان طبع اور میرا رجحان تحقیق اس طرف جاتا ہے کہ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ۔ باقی ضامراً میں بے شک حضور ﷺ کی طرف ضمیریں مرجع ہیں کوئی شک نہیں مگر جب اللہ نے اپنی سکینت نازل فرما دی تو عَلَیْہ سے مراد قلب ابوبکر صدیق

ﷺ ہے۔ یہاں عَلَیْہِ کا مرجع ابوبکر صدیق ﷺ ہیں۔ آپ پوچھیں گے اس کا سبب کیا ہے؟ سبب یہ ہے کہ گھبراہٹ حضور ﷺ کو نہیں ہوئی تھی۔ گھبراہٹ ابوبکر صدیق ﷺ کو ہوئی تھی۔ گھبراہٹ تاجدار کائنات ﷺ کو نہ تھی سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ کو حضور ﷺ کی جان پاک کی فکر تھی۔ پریشان تو وہ ہوئے تھے۔ اس آیت کریمہ کے شان نزول میں بخاری اور مسلم سے لے کر باقی تمام کتب حدیث میں اور کل کتب تاریخ میں اور کتب تفسیر میں بھی تمام جگہ پر ہر کتاب میں آپ کو اسانید صحیحہ کے ساتھ یہ لکھا ملے گا کہ سیدنا صدیق اکبر ﷺ غار میں بھی پریشان تھے۔ سوراخوں کو بند کر لیا تھا اور جو سوراخ بچ گیا تھا اس میں اپنی ایری لگا لی تھی کہ سانپ نے ڈسنا ہو تو مجھے ڈسے۔ اب غار کا دروازہ رہ گیا تھا۔ آپ تفسیر کو اٹھائے کتب حدیث دیکھیے، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ تک تمام کتب حدیث کتب تفسیر، کتب سیر، کتب تاریخ تمام علماء اہل سنت اور جمیع علماء اہل تشیع سب کے ہاں آپ کو یہ بات بلا اختلاف ملے گی کہ جب غار کے اندر بیٹھے تھے تو اس وقت ان کو یہ گھبراہٹ اور پریشانی لاحق ہوئی کہ ہر چند کہ مکڑی نے جالاتان لیا تھا اور اس کی افادیت تھی کہ کوئی سمجھے کہ اس کے اندر کوئی داخل نہیں ہوا کیونکہ جالاتان ہوا نہیں ہے۔ لہذا اندر داخل کوئی نہیں ہوا۔ مگر انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کوئی غار کے دہانے پر کھڑے ہو کر اپنے پاؤں کی طرف بھی دیکھ لے گا تو اتنا براہ راست زاویہ ہے کہ وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ سواٹ اور نہ جانے کیا کیا انعامات مقرر ہو گئے تھے جن کے لئے لوگ چل پڑے تھے۔ سراقہ بھی آنکلا تھا۔

اس پر دو احادیث ہیں ایک متفق علیہ جو زیادہ قوی ہے اور مکمل سند کے ساتھ کتب صحاح میں آئی ہے کہ آقا ﷺ نے اس موقع پر فرمایا: جب یہ سنا کہ وہ ہمیں دیکھ لے گا تو کیا ہوگا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (غمزدہ نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے)۔ (۱) اس سے ان کی گھبراہٹ دور ہو گئی۔ اس پر قرآن کہتا

(۱) بخاری، الصحيح، کتاب فضائل الصحابة، باب مناقب المهاجرين

وفضلهم منهم أبو بکر، ۳: ۱۳۳۶، الرقم: ۳۴۵۲

ہے: فَانْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ۔ پس اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل فرمادی، اللہ نے ان پر سکونِ قلب نازل کر دیا۔ لیکن گھبراہٹ تو سیدنا صدیق اکبر ﷺ کو تھی، آقا ﷺ کو تو نہ کبھی پہلے تھی نہ اس رات تھی اور نہ کبھی بعد میں ہوئی۔ یہ ابو بکر صدیق ﷺ کی شان تھی کہ ان کو عشقِ مصطفیٰ میں اور دردِ مصطفیٰ ﷺ میں گھبراہٹ تھی۔ حضور ﷺ تو اس چیز سے بلند ہیں۔ تو جسے گھبراہٹ تھی اس کے دل پر سکون اتارنے کی ضرورت تھی یا کہ دوسرے قلب پر اتارنے کی ضرورت تھی؟ گھبراہٹ اس کو ہے سکون دوسرے کو ملے۔ نہیں، جس کے دل کو گھبراہٹ ہوئی اُسی کے دل پر سکون اترے۔

اگر پہلا قول مراد لیا جائے کہ براہِ راست سکینتِ الہیہ قلب ابو بکر ﷺ پر اتری۔ اب اس قول کا نتیجہ کیا ہوگا اگر براہِ راست سکینتِ الہیہ اللہ رب العزت کی طرف سے قلب ابو بکر ﷺ پر اتری اور جب اللہ براہِ راست سکینت اور قرارِ قلب پر اتارے تو اس دل میں کبھی تادمِ وفات عدم قرار آ سکتا ہے؟ اس دل میں کبھی تزلزل آ سکتا ہے؟ اس دل میں کبھی ملال آ سکتا ہے؟ کبھی وہ دل سکینت سے خالی ہو سکتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر صدیق اکبر ﷺ کا دل کبھی بعد ازاں حالتِ قرار سے ہٹا ہوا تصور کیا جائے تو وہ تصور ابو بکر ﷺ کا نہیں ہے، وہ سکینتِ الہیہ کی کمزوری تصور ہوگی کہ وہ ان کے دل کو اتنا مضبوط نہ بنا سکی کہ وہ وفا پر قائم رہتے۔ جس دل پر اللہ کی سکینت براہِ راست اتری اب دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے اس ابو بکر کا دل کبھی الٹ پلٹ نہیں ہو سکتا، اس کے دل میں کبھی وفا میں کمی نہیں آ سکتی، اس کے دل میں استقامت کم نہیں ہو سکتی، اس کے دل میں کبھی بھی قرار کا مقام کم نہیں ہو سکتا۔

اگر دوسرا معنی لیا جائے کہ آقا ﷺ کے قلبِ اطہر پر سکینت اتری اور میں نے عرض کیا کہ یہ بھی حق ہے، تو اس سوال کو بھی تو حل کرنا ہے کہ گھبراہٹ تو اس دل میں ہے سکون اُس قلب پر اترا۔ اب یہ گھبراہٹ کیسے دور ہوگی اور کیسے ہوئی؟ اب اس دوسرے قول کے تحت توجیہ اور تطبیق یوں بنے گی کہ جو سکونت اور جو نعمت قلبِ مصطفیٰ ﷺ پر

اترتی ہے اس کا فیض براہ راست قلبِ ابوبکر ﷺ پر پڑتا ہے، جو سکینتِ قلبِ مصطفیٰ ﷺ پر اتری اُسی کا پر تو قلبِ ابوبکر ﷺ پر پڑا۔ تو گویا جو احوال و کیفیات قلبِ محمدی کے تھے اُنہیں احوال و کیفیات کا پر تو قلبِ ابوبکر پر پڑتا رہا۔ یہ معیت کا فیض خاص تھا۔ آقا ﷺ کے احوال کے ساتھ، اور آقا کے ظاہر و باطن کے ساتھ، اور آقا کی کیفیات اور مقامات کے ساتھ، اور آقا پر اترنے والی برکات کے ساتھ اس معیت کے رشتے میں وہ اتنے متحد و متصل ہو گئے تھے کہ جو نعمتیں ادھر اترتی رہیں وہی نعمتیں اور ان کا فیض اور ان کا پر تو اور عکس سیرتِ ابوبکر پر پڑتا رہا۔ تب جا کر عقدہ حل ہوتا ہے کہ سکینتِ ادھر اتری گھبراہٹ تو ابوبکر صدیق کی دور کرنی ہے! براہ راست اتار کے کر دے یا قلبِ مصطفیٰ پر اتار کر کر دے اور اس کے فیض سے ابوبکر کو مالا مال کر دے۔

اس سکینت نے آپ کو معیت اور فنایت کا مقام عطا کر دیا۔ اس وجہ سے وہ حکم آگیا: لَا تَحْزَنَنَّ إِنَّ اللَّهَ مَعَنا (غمزدہ نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے)۔ اور یہ معیت اس طرح ہمہ وقت عطا کر رکھی تھی۔ معیت کے بارے میں جو کچھ بیان کیا اس کے اوپر مفسرین اہل سنت کے حوالے دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا کیونکہ اس میں تو بغیر شک و شبہ کے یہ بات درج ہے ہی۔ البتہ اہل تشیع کے اکابر مفسرین کی کچھ تفاسیر کے حوالے پیش کر دیتا ہوں۔ اہل سنت کی تفاسیر آپ کو معلوم ہیں جو کچھ اضافہ کیا میں نے عرض کر دیا۔

شیعہ مفسرین کی آراء

۱۔ شیخ ابوالفتح رازی چھٹی صدی ہجری کے شیعہ علماء میں سے ایک نامور مفسر گزرے ہیں اور ان کی تفسیر رَوْحُ الْجَنَانِ ایک معتبر تفسیر ہے۔ ان کے حواشی آقائے حاج میرزا شیرانی نے تحریر کیے ہیں اور یہ تہران کی چھپی ہوئی ہے۔ اس آیت کریمہ کے تحت بیان کرتے ہیں:

و خلاف نیست کہ آن دو کس کہ در غار بودندم رسول

ﷺ بود و ابوبکر۔

اِذْهُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ كَيْفَ تَبَيَّنَ لَكَ هَٰذَا الَّذِي كُنَّا نَمُكِّدُكَ فِيهِ:

ایشان ہر دو در غار بودند۔ می گفت صاحبش را یعنی ابوبکر و صاحب رفیق است اینجا۔^(۱)

وہ کہتے ہیں کہ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ سے مراد صرف اور صرف حضرت ابوبکر صدیق ﷺ ہیں کیونکہ وہی اس سفر میں حضور ﷺ کے صاحب و رفیق تھے اور آقا ﷺ نے ان سے خطاب کیا۔ اور رسول ﷺ اور ابوبکر ﷺ تین روز تک تنہا غار میں رہے۔

یہی شیخ ابو الفتوح صفحہ نمبر ۳۶ پر امام محمد بن سیرین کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا فاروق اعظم ﷺ کے زمانے میں کچھ لوگ ایسے ہوئے کہ انہوں نے سیدنا فاروق اعظم ﷺ کو کچھ اس انداز کی باتیں کیں جن سے یہ بو آتی تھی کہ وہ انہیں سیدنا ابوبکر ﷺ پر فضیلت دینا چاہتے ہیں۔ ان کی باتیں سیدنا فاروق اعظم ﷺ تک پہنچی۔ یہ تذکرہ حدیث پاک میں بھی آتا ہے مگر میں حوالہ اس کتاب کا دے رہا ہوں۔ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ یہ بات جب سیدنا فاروق اعظم ﷺ کو پہنچی تو انہوں نے کہا کہ تمہاری گفتگو کی غرض صرف یہ ہے کہ تم ابوبکر پر مجھے فضیلت دینا چاہتے ہو۔ سن لو!

واللہ! آں یک شب از ابوبکر کہ شب در غار بود کہ او در صحبت رسول بود بہتر بود از ہمہ عمر عمر۔^(۲)

”خدا کی قسم! وہ ایک رات جو ابوبکر ﷺ نے مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ خلوت غار میں گزاری فاروق اعظم کی ساری زندگی سے بہتر ہے۔“

شیخ ابو الفتوح رازی جو علامہ زبیری اور امام بغوی جیسے مفسرین کے زمانے کے

(۱) ابو الفتوح رازی، رَوْحُ الْجَنَانِ وَ رُوحُ الْجَنَانِ، ۳۵: ۶، جزو: ۱۰

(۲) ابو الفتوح رازی، رَوْحُ الْجَنَانِ وَ رُوحُ الْجَنَانِ، ۳۵: ۶، جزو: ۱۰

ہیں، اپنی بہت بڑی معتبر اور ثقہ تفسیر روح الجنان میں بیان کرتے ہیں کہ پھر سیدنا فاروق اعظم ﷺ نے بیان کیا کہ اس رات جب تنہا حضرت ابوبکر حضور کے ساتھ خلوت میں تھے تو حضرت ابوبکر نے حضور کی شان میں کچھ اشعار پڑھے۔ اور کوئی تیسرا تو تھا نہیں، عاشق تھا محبوب تھا اور تیسرا کوئی درمیان میں نہ تھا۔ انہوں نے چار شعر بیان کئے خدا جانے ان کی آنکھوں نے اور دل کی آنکھوں نے کیا کیا پڑھا ہوگا اور کس طرح چہرہ مصطفیٰ ﷺ کو دیکھ کر کس قرآن کی تلاوت کی ہوگی۔

۲۔ اہل تشیع مفسرین میں سے دوسری معروف کتاب المیزان فی تفسیر القرآن ہے جو علامہ سید محمد حسین طباطبائی کی ہے۔ یہ قم کی چھپی ہوئی ہے اس کے جزو ۲۰ میں سورۃ توبہ کی اس آیت اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ کے تحت مصنف لکھتے ہیں:

وَالْمُرَادُ بِصَاحِبِهِ هُوَ أَبُو بَكْرٍ قَطْعِي.

قرآن کے حکم قطعی کے تحت صاحب مصطفیٰ ﷺ سے مراد ابوبکر صدیق ﷺ ہیں۔ گویا ان کی صحابیت کو انہوں نے حکم قطعی قرار دیا ہے۔

۳۔ اس کے بعد تفسیر کی تیسری کتاب سید ہاشم حسینی بجزانی کی البرہان فی تفسیر القرآن ہے جو قم ایران کی چھپی ہوئی ہے۔ اس کے جزو نمبر گیارہ میں سورۃ توبہ کی اسی آیت کے تحت وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوجعفر یعنی سیدنا امام محمد باقر علیہ السلام ان کا قول روایت کرتے ہیں کہ غار میں سیدنا صدیق اکبر ﷺ کے دل میں آقا علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں دشمنوں کی سازشوں کے پیش نظر خوف پیدا ہوا تو حضور ﷺ نے متوجہ ہو کر فرمایا کہ سکون اختیار کر۔ پھر اس کے اندر دو روایات ہیں ایک تو یہی ہے اور دوسری یہ کہ آقا علیہ السلام نے سیدنا صدیق اکبر کا خوف اور حزن اور ملال سماعت فرمایا جب انہوں نے عرض کی آقا اگر انہوں نے اپنے قدموں کی طرف بھی نگاہ دوڑائی تو ہمیں دیکھ لیں گے اور دشمن غار میں داخل ہو جائیں گے۔ تو آقا علیہ السلام نے ان کا یہ غم اور خوف دور کرنے کے لئے فرمایا: ابوبکر! اگر وہ ادھر سے داخل ہوئے تو ہم ادھر نکل جائیں گے۔ ادھر تو غار کا

دروازہ تھا ادھر سے داخل ہوئے تو ہم ادھر سے نکل جائیں گے۔ دستِ مصطفیٰ اٹھنے کی دیر تھی۔ ائمہ نے لکھا ہے کہ ادھر انگلی اٹھی اور پورا پہاڑ پھٹ گیا اور غار کی دہائی جانب ایک دروازہ کھل گیا اور اس دروازے سے سیدنا صدیق اکبر نے سمندروں پر چلتے ہوئے جہاز اور کشتیاں دیکھیں۔ یہ اللہ کی وہ سکینت اتری کہ مشاہدہ کرا دیا۔

اسی البرہان کی دوسری روایت کے مطابق جب سیدنا صدیق اکبر ﷺ نے عرض کی، ادھر سے اگر انہوں نے دیکھ لیا تو اندر داخل ہو جائیں گے تو ادھر انہوں نے سیدنا صدیق اکبر ﷺ کو اس طرف اشارہ کیا اور انہوں نے دیکھا کہ غار کے اندر حضرت جعفر کشتی میں سوار سمندر میں سے آرہے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر نے غار ثور کے اندر سے سمندر میں حضرت جعفر کے جہاز کا چلنا دیکھ لیا۔ اور وہ جو انصارِ مدینہ شب و روز ہجرت مدینہ کے انتظار میں تھے، آقا علیہ السلام نے غار ثور میں حضرت ابوبکر ﷺ کو اشارہ کر کے مدینہ کے انصار کا نظارہ کرا دیا۔ یہ وہ سکینت تھی جو ان کے دلوں پر اتری۔ پھر اسی البرہان میں انہی خصائص کا حوالہ دے کر صاحبِ تفسیر اسنادِ مرفوع کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ سے پوچھا: آپ اس وقت کہاں تھے جب اللہ تعالیٰ غار میں اپنے نبی اور حضرت ابوبکر سے یہ فرما رہا تھا کہ جب وہ اپنے صاحب سے فرما رہے تھے کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے؟ امیر المومنین وہ دو تو وہاں تھے، ابوبکر اور نبی، لیکن آپ کہاں تھے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا: تو برباد ہو وہ حضور کی حفاظت پر مامور غار میں تھے میں مکہ میں حضور کے بستر پر لیٹا ہوا تھا یعنی صدیق اکبر ﷺ اژدھا کے منہ میں اپنی ایڑھی رکھ کر بیٹھے تھے کہ مصطفیٰ ﷺ بیچ جائیں اور علی ﷺ حضور ﷺ کے بستر پر جسم لٹا کے بیٹھے تھے کہ حملہ کریں تو مصطفیٰ ﷺ سمجھ کر مجھے شہید کر دیں۔

۴۔ اسی طرح فیض کاشانی محمد بن مرتضیٰ کی معروف تفسیر کتاب الصافی فی تفسیر القرآن تہران کی چھپی ہوئی تفسیر ہے۔ میں یہ بتا رہا ہوں کہ تعین پر اختلاف نہیں ہے، باقی تو قرآن کی نص ہے۔ کاشانی فرماتے ہیں:

لم یکن معه إلا رجل واحد، اذُ هُما فی الغارِ: غار ثور، اذ یقول لصاحبه: وهو أبوبکر لا تحزن، إن الله معنا.

جب ان کو گھبراہٹ ہوئی تو اس پر اللہ کی آیت نازل ہوئی فرمایا: غم نہ کر اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے اور مَعْنَا کہہ کر دونوں کا لفظ بھی گوارا نہیں کیا دونوں بھی نا میں آتے ہیں اور ہم سب بھی نا میں آتے ہیں۔ حضور کی زبان سے اس لئے کہلوا یا کہ کُھما کی شکل میں دو سمجھتے تھے اور دوئی وجود میں آتی تھی تاکہ فنایت اس مقام تام پر پہنچے کہ تصور دوئی بھی نگاہ میں نہ آئے کہ وہ حضور میں فنا ہو کر حضور ﷺ کے انوار و تجلیات کا مظہر اتم بن گئے ہیں۔

۵۔ اس طرح حسین بن احمد حسینی شاہ عبد عظیمی کی ایک معروف تفسیر تفسیر اثنا عشری ہے۔ آپ اگر پانچ سو کتب بھی اٹھالیں جو اہل سنت و اہل تشیع تو اس کے تعین پر اختلاف نہیں ہے کہ اذ یَقُولُ لِصَاحِبِهِ سے مراد کون ہے اور ثانی اثْنِیْن میں دو کون ہیں اور بقایا تو قرآن کی نص ہے۔ اس پر اختلاف کی تو گنجائش نہیں رہتی۔ وہ بھی کہتے ہیں: دو نفر بودند: حضرت پیغمبر و ابی بکر۔

۶۔ شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبری کی تفسیر مجمع البیان تہران کی چھپی ہوئی ہے، سورۃ توبہ کی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ثانی اثْنین یعنی أَنَّهُ كَانَ هُوَ أَبُوبَكْرٍ، اذ هُما فی الغار، لیس معه ثالث.

کوئی تیسرا شخص نہ تھا سوائے رسول خدا اور رفیقِ مصطفیٰ ﷺ کے اور آگے دیکھئے: وهو أحد اثْنین وہ (ابوبکر) دو میں سے ایک تھے۔ ایک آقاں تھے۔

ومعناه: وقد نصره الله منفرداً من كل شيء إلا من أبى بکر.

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فقد نصره الله میں ة کی ضمیر واحد کی ضمیر ہے کہ اللہ

نے ان کی مدد کی یعنی رسول پاک کی مدد کی۔ اب علامہ طبری مجمع البیان میں بیان کر رہے ہیں کہ جب اللہ نے فرمایا اللہ نے ان کی مدد کی اور وہ کی ضمیر واحد کی ہے یعنی رسول کی مدد کی تو اب وہ لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ نے جب حضور کی مدد کی تو یہ مدد خاص تھی جس نے حضور کو ہر شے سے کائنات کی ہر مخلوق سے، ہر وجود سے، ہر شخص اور ہر فرد سے منفرد کر دیا اور کسی اور کو اس وقت اس مدد میں شریک نہ کیا۔ حضور منفرد تھے ہر کوئی الگ رہ گیا۔ اگر کوئی حضور کے فیض میں شامل تھا تو ابوبکر صدیق شامل تھا۔ و اذ يقول لصاحبه کے تحت لکھتے ہیں ہر ایک سے منفرد رکھا الا من ابی بکر ابوبکر کو اس نصرہ میں شامل کیا۔ اب جو منصور الہی ہو جائے جس کو اللہ کی مدد مل جائے اس کے قدموں میں کبھی تزلزل آ سکتا ہے؟ اگر پھر بھی تزلزل آ جائے معاذ اللہ تو وہ ابوبکر کے قدم نہیں ہیں۔ وہ کمزوری اور تزلزل خدا کی مدد میں ہے جو کہ ہو نہیں سکتی۔ بہت سی اور کتب ہیں مگر ایک آخری اور نامور حوالہ دینا چاہتا ہوں۔

یہ حوالہ علامہ شیرازی کی تفسیر نمونہ سے ہے جو ایران کی ایک معروف و معتبر تفسیر ہے۔ ان کے مطابق ثانی اثنین میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ:

جزایں نفر واحد کہ ہمراہ او نہ بود۔

سوائے ابوبکر صدیق ﷺ کے حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ لہذا اس سفر پر خطر میں اللہ رب العزت نے آقا ﷺ کے ساتھ جس کو ہمفری کا شرف عطا کیا وہ ابوبکر تھے۔ ان کے دل میں پریشانی اور گھبراہٹ لاحق ہوئی۔ کہتے ہیں کہ ان کی دلداری کے لئے یعنی صدیق اکبر کی دل داری کے لئے اللہ رب العزت نے فرمایا:

محبوب گفت غم مخور خدا با ماست۔ لا تحزن ان اللہ معنا۔

”میرے ساتھی غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

علامہ محمد حسین شیرازی تفسیر تقرب القرآن الی الاذہان کی جلد نمبر چار کے صفحہ نمبر ۸۸ پر لکھتے ہیں:

﴿ اِذْ يَقُولُ الرَّسُولُ ﴿لِصَاحِبِهِ﴾ اَبِي بَكْرٍ ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ .

”جب رسول اکرم ﷺ اپنے صحابی ابو بکر ﷺ سے فرمایا: کہ غم نہ کھا، بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔“

توجہ اتحادی کا خصوصی فیضان

تین دن اور تین راتیں صدیق اکبر ﷺ تنہا اپنے محبوب کے ساتھ رہے اور محبوب اپنے عاشق کے پاس رہا۔ نہ کوئی باہر سے دیکھنے والا کہ مکڑی نے جالاتان رکھا ہے نہ کوئی اندر ساتھ۔ اب جب ایسا واقعہ قرآن اور حدیث کی رو سے سامنے آجائے اور اس میں کوئی اختلاف بھی نہ ہو تو اس پر کچھ سوچنا چاہیے کہ وہ تین دن کرتے کیا ہوں گے۔ سوائے دیدار اور توجہ کے اور تھا کیا؟ ابوبکر صدیق ﷺ تین دن تین راتیں چہرہ مصطفیٰ ﷺ کو ملتے دیدار کرتے رہے، نگاہیں چہرہ مصطفیٰ ﷺ پر گرھٹی رہیں اور حضور ﷺ کی توجہ ان تین راتوں میں ابوبکر کے چہرے پر رہی۔ پوری ۶۳ برس کی عمر مبارک میں توجہ کئی لوگوں پر رہی، لوگ لمحہ توجہ مصطفیٰ ﷺ میں شریک ہوتے تھے۔ لوگ شرکا تھے۔ توجہ ٹہتی تھی۔ ہر کوئی حسب استعداد لیتا تھا مگر ۶۳ برس کی عمر مبارک میں تین دن اور تین راتیں ایسی آئیں کہ متوجہ مصطفیٰ ﷺ تھے اور متوجہ علیہ ابوبکر ﷺ تھے۔ وہ حضور ﷺ کے چہرہ انور کے دیدار میں غرق تھے اور حضور ﷺ کا و تنہا ابوبکر ﷺ کی طرف متوجہ تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ جو:

☆ ایک توجہ کر دیں تو درخت زمین کا سینہ چیرتے ہوئے سجدہ ریز ہو جائیں۔

☆ ایک توجہ کر دیں تو چودھویں رات کے چاند کے ٹکڑے ہو جائیں۔

- ☆ ڈوبے سورج پر توجہ کریں تو سورج پلٹ آئے۔
- ☆ کنکریوں کو ایک توجہ دے دیں تو سنگ ریزے کلمہ پڑھنے لگ جائیں۔
- ☆ کسی کافر پر توجہ کر دیں تو وہ ایمان لے آئے۔
- ☆ لعاب کی توجہ دے دیں تو امراض رفع ہو جائیں۔
- ☆ کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیں تو بڑھاپے تک سفید بال سر پر نہ آئے۔

جس سمت ایک توجہ دے دیں تو پورا عالم بدل جائے اور اس رسول ﷺ کی توجہ جس ایک شخص پر تین دن اور تین راتیں لیکتا و تنہا رہی اس کے احوال کہاں سے کہاں جا پہنچیں گے!

صوفیاء اور اولیاء کی توجہ

۱۔ مولانا رومؒ کی بات سنیں ان کا بھی ایک نان بائی تھا ان کا نام آتش باز تھا۔ جو مہمان آتا وہ ان کے لئے کھانا پکاتے۔ ان کے نان بائی کے مزار کی مجاور ایک ۸۵ سالہ خاتون ہیں جن کو نان بائی کے مزار کی مجاوری اور نوکری کرتے ہوئے ۵۵ سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔ میں جب پہنچا رات کے ۱۰ بجے تھے۔ میرا وہاں پہنچنے کا پروگرام مغرب سے چار گھنٹے پہلے کا تھا مگر ہم لیٹ ہو گئے۔ مزار کے اندر گیا تو خاتون نے کہا: آپ نے تو مغرب سے پہلے آنا تھا۔ اتنی دیر سے کیوں آئے؟ میں نے کہا آپ کو تو میرا ہی پتہ نہیں میں کون ہوں، کہاں سے آیا ہوں آنا تھا یا نہیں۔ آپ کو خبر کیسے ہوئی؟ اس نے کہا: جن سے ملنے آئے ہیں انہوں نے بتا دیا تھا کہ مغرب سے پہلے کوئی آئے گا، سو آپ لیٹ آئے۔ جب کوئی مہمان آتا تو مولانا روم کے یہ نان بائی کھانا پکا دیتے۔ جو تیل لکڑیاں ہوتیں آگ جلا دیتے۔ ایک رات آپ کے عزیز مہمان پہنچے تو نہ لکڑی تھی نہ تیل۔ آپ نے آواز دی، نان بائی کو فرمایا: کھانا بنا کے لاؤ۔ اب پرانا زمانہ، نہ لکڑی نہ تیل اور تاخیر بھی گوارا نہ تھی۔ کہتے ہیں اس نے اپنے کپڑوں کو اور ٹانگ پر تیل چھڑکا اور

آگ لگا دی۔ اس آگ پر جو کچھ سالن روٹی بن سکا تیار کر دیا۔ اپنے کپڑے جلا دیئے
ٹانگ جلا دی۔ چربی اور گوشت پکھل گیا۔ کھانا تیار کر دیا اور مہمانوں کو کھانا کھلا دیا۔ مہمان
چلے گئے تو صبح نان بائی کو بلایا۔ پوچھا کوئی لکڑی تیل گھر میں تھا۔ عرض کیا: نہیں۔ تو یہ
آگ کیسے جلائی؟ اس نے اشارہ کر دیا حضور اس طرح۔ بس اس وفا اور خدمت پر سینے
سے لگایا اور توجہ دی اور مولانا روم نے نان بائی کو ولی بنا دیا اور وہ مقام عطا کر دیا کہ اولیاء
بتاتے ہیں: مولانا روم کی اولیاء کے ساتھ مجلس بھی اس نان بائی کی درگاہ میں ہوتی ہے۔

۲۔ حضرت خولجہ باقی باللہ کا بھی ایک نان بائی تھا۔ اس نان بائی کی قبر مبارک بھی
حضرت خولجہ باقی باللہ کی قبر انور کے ساتھ دہلی میں ہے۔ دن ہو یا رات، مہمان آتا تو
نان بائی اٹھ کر کھانا کھلاتا۔ ایک رات دیر سے مہمان آئے، تیزی سے کھانا بنایا، خدمت
کی، مہمان خوش ہو گئے۔ یہ پرانا طریق ہے۔ آقا علیہ السلام کے ہاں بھی حضرت ربیعہ بن
کعب اسلمی رضی اللہ عنہ ہی کام کرتے تھے۔ آقا ﷺ خوش ہوتے تو فرماتے: سلسلی (ربیعہ! جو
چاہو مانگو)۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں:

أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ. (۱)

”حضور! میں جنت میں آپ کی سنگت کا طلب گار ہوں۔“

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کے عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ آقا اور کچھ
نہیں مانگتا، یہ نوکری جو یہاں دے رکھی ہے جنت میں بھی یہی نوکری برقرار رہے۔

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الصلاة، باب فضل السجود والحث

علیہ، ۱: ۳۵۳، الرقم: ۴۸۹

۲۔ أبوداود، السنن، کتاب الصلاة، باب وقت قیام النبی ﷺ من

اللیل، ۲: ۳۵، الرقم: ۱۳۲۰

۳۔ نسائی، السنن، کتاب التطبیق، باب فضل السجود، ۲: ۲۲۷،

الرقم: ۱۱۳۸

سوناں بائی نے خدمت کی، حضرت خواجہ باقی باللہ خوش ہو گئے۔ فارغ ہوئے تو نان بائی کو بلایا۔ پوچھا: کیا مانگتے ہو؟ نان بائی سادہ آدمی تھا، سمجھ نہیں تھی کیا مانگنا ہے، کیا نہیں۔ کہنے لگا: اپنے جیسا بنا دو۔ حضرت خواجہ باقی باللہ نے ایک توجہ کی۔ اولیاء اللہ کی توجہ کی سات اقسام ہوتی ہیں۔ مختلف طریقوں سے توجہ دی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک قسم توجہ اتحادی ہے۔ اس کا مطلب ہوتا ہے کہ شیخ جب توجہ دیتا ہے تو مرید کے ظاہر اور باطن کو اپنے ظاہر اور باطن کے ساتھ متحد کر دیتا ہے۔ اس کا ظاہر بھی متحد اور متصل ہو جاتا ہے، اس کا باطن بھی باطن سے متحد ہو جاتا ہے۔ جو فیوضات شیخ کے ظاہر پہ ہوتے ہیں وہی کیفیات اس کے ظاہر پر وارد ہوتی ہیں۔ جو کیفیات شیخ کے باطن پر ہوتی ہیں وہ مرید کے باطن پر ہوتی ہیں۔ تو وہ ظاہر و باطن دونوں میں متحد بالشیخ ہو جاتا ہے۔ یہ توجہ اتحادی ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ نے نان بائی پر اپنی اتحادی توجہ ڈالی۔ جب توجہ اتحادی کے بعد باہر نکلے تو کوئی پہچان نہ سکتا تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کون ہے اور نان بائی کون۔ چہرے کے خد و خال بدل گئے تھے، رنگ و روپ بدل گیا تھا، چہرے کی شکل و صورت اور ہیئت میں بھی تغیر آ گیا تھا۔ ظاہر کے احوال بھی متحد ہو گئے تھے اور باطن کے احوال بھی حضرت باقی باللہ کے ساتھ متحد ہو گئے تھے۔ بس اتنا فرق تھا کہ باقی باللہ جو نکلے تو وہ ہوش میں تھے اور نان بائی مدہوش۔ چونکہ اپنی ریاضت اس درجے کی تو نہیں تھی، ظرف اس درجے کا مضبوط نہیں تھا، اپنی صلاحیت، استعداد اور جذب اس درجے کا نہیں تھا کہ اس کو جذب کر سکیں۔ ظاہر و باطن جو متحد ہوئے تو پہچانا نہ جاسکا کہ شیخ کون ہے اور نان بائی کون ہے۔ اتنا فرق تھا کہ یہ مدہوش تھے، جھومتے تھے۔ توجہ لے لی مگر برداشت نہ رہی اور تین دن حالت مدہوشی میں رہ کر وفات پا گئے۔ ان کی قبر حضرت باقی باللہ کی قبر کے ساتھ بنی۔ یہ تھی خواجہ باقی باللہ کی ایک پل کی توجہ۔

اب ذرا غور کریں غارِ ثور میں مصطفیٰ ﷺ کی توجہ تھی۔ لینے والے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ایک پل کی نہیں، تین دن اور تین رات کی توجہ تھی۔ اندازہ کریں کہ سیدنا ابوبکر

ﷺ کا ظاہر کتنا متصل ہو گیا ہوگا حضور ﷺ کے ظاہر سے؛ اور باطن ابو بکر ﷺ کتنا متصل ہو گیا ہوگا باطن مصطفیٰ ﷺ سے۔

کتے پر توجہ اتحادی اور معیت کے اثرات

توجہ کی دو مثالیں دی ہیں، ایک مولانا روم کی اور دوسری حضرت خواجہ باقی باللہ کی۔ یہاں توجہ کا ایک اور نکتہ سمجھانے کے لئے دو مثالیں اور ملاحظہ فرمائیں، ایک قرآن مجید سے اور دوسری احوالِ اولیا سے دے رہا ہوں۔

توجہ کی جو دو کیفیات بیان کیں ان میں انسان انسان کو توجہ دیتا ہے۔ ولی ولی کو توجہ دیتا ہے یا شیخ مرید کو توجہ دیتا ہے۔ لیکن اب مثال درجہ افضل یا درجہ تنزل میں نیچے اتر کر دی جا رہی ہے۔ اس کے ناقل امام عبد الوہاب شعرانی، حاجی امداد اللہ مہاجر کی اور دیگر ائمہ و محدثین بھی ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اسے اپنی کتاب ”امداد المشتاق“ میں لکھا ہے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر کی فرماتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادیؒ بغداد میں جس حلقے میں بیٹھتے تھے وہاں ایک کتا تھا۔ اس کو جب پتہ چل جاتا کہ حضرت جنید بغدادیؒ کا حلقہ ہے تو وہ بھی جہاں مجلس ہو رہی ہوتی باہر آ کر کچھ فیصلے پر بیٹھ جاتا تھا، زیارت کرتا اور جب تک مجلس چلتی کتا بھی سامنے کچھ فاصلے پر حضرت جنید بغدادیؒ کی زیارت کرنے کے لئے بیٹھا رہتا۔ فرماتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادیؒ کو اس کی وفا اور وفا میں اس کی استقامت اتنی پسند آئی کہ ایک روز آپ نے اچانک اس کتے پر توجہ کر دی۔ خوش ہوئے اور خوشی کی نگاہ سے کتے کو دیکھا تو اس کے احوال بدل گئے۔ اس کے بعد اس کتے کا عالم یہ تھا کہ شہر بغداد کے جس چوک پر بیٹھتا ۲۰، ۳۰، ۴۰ کتے دو زانو ہو کر اس کے ارد گرد حلقہ بنا کر مؤدب ہو کر بیٹھ جاتے۔ سو توجہ نے کتے کا حال بدل دیا۔ کسی کے ذہن میں یہ سوال آئے کہ بھلا ولی کی توجہ سے کتے کا حال کیسے بدل سکتا ہے؟ کتے کا یہ مجلس میں بیٹھنا اور اس کی اتنی استقامت بھلا ایسا بھی ہوتا ہے؟ خاص طور پر آج کل تو ایسی باتیں عجیب ترین لگتی ہیں۔ اگر ایسا خیال آئے تو تسلی کے لئے قرآن پاک میں سورہ کہف کا مطالعہ کریں۔

اصحاب کہف بنی اسرائیل میں سے تھے۔ جن تفاسیر نے تفصیل سے لکھا ہے ان کو پڑھئے۔ امام فخر الدین رازی یا امام قرطبی کی تفسیر کو پڑھ لیجئے۔ ابن جریر اور حافظ ابن کثیر کو پڑھئے، امام قرطبی نے بنیادی باتیں لکھی ہیں۔ اصحاب کہف سات ولی اللہ تھے جو بادشاہ کے ساتھ اختلاف کی بناء پر اپنی بستی سے رخصت ہو کر نکل کھڑے ہوئے ان کے ساتھ ایک کتا بھی تھا۔ اصحاب کہف کتے کو بھگانے کے لئے پتھر مارتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے ظالم بادشاہ سے بچنے کے لئے کسی غار میں جا کر چھپنا تھا اور ڈر تھا کہ ظالم بادشاہ انہیں کہیں تلاش نہ کر لے۔ وہ کتے کو پتھر مارتے مگر وہ نہ جاتا۔ آخر کتے نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ مولا! مجھے زبان عطا کر۔ یہ تیرے بندے مجھے پتھر مار مار کر کیوں بھگا رہے ہیں۔ ادھر اصحاب کہف کو ڈر تھا کہ کتا بھونکے گا اور لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ یہاں غار میں کوئی ہے تو بادشاہ کے لوگ انہیں گرفتار کر لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتے کو زبان دی تو اپنی پچھلی دو ٹانگوں کے بل کھڑا ہو گیا اور اصحاب کہف سے کہنے لگا: مجھے کیوں مارتے ہو؟ انہوں نے کہا تو کتا ہے بھونکے گا تو ظالم بادشاہ کو ہماری خبر ہو جائے گی۔ اس نے کہا: میں کتا ضرور ہوں مگر بھونکنے والا نہیں ہوں۔ اس طرح کتا غار کے سامنے بیٹھ گیا۔ اصحاب کہف ۳۰۹ سال تک اندر لیٹے رہے اور اللہ پاک ان کی کروٹیں بدلتے رہے اور کتا بھی ان کے ساتھ وہیں موجود رہا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَتَحْسَبُهُمْ اَبْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ (۱)

”(اے سننے والے) تو انہیں (دیکھ لے تو) بیدار خیال کرے گا حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم (وقفوں کے ساتھ) انہیں دائیں جانب اور بائیں جانب کروٹیں بدلاتے رہتے ہیں۔“

اب یہ تو قرآن کی نص میں آ گیا کہ کبھی دائیں کروٹ اور کبھی بائیں کروٹ

بدلتے تھے۔ مگر ائمہ تفسیر نے لکھا ہے کہ دائیں طرف پلٹنا اور بائیں طرف پلٹنا ہر چھ ماہ بعد ہوتا تھا۔ وہ چھ ماہ دائیں طرف اور چھ ماہ بائیں طرف لیتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی سنگت میں شریک کئے کا بھی قرآن میں خصوصی ذکر فرمایا بلکہ اس کی نشست کا نقشہ کھینچ کر بتادیا اور اسے قرآن کی آیت بنا دیا:

وَكَلْبُهُمْ بِاسِطٍ ذِراعِيهِ بِالْوَصِيدِ (۱)

”اور ان کا کتا (ان کی) چوکھٹ پر اپنے دونوں بازو پھیلائے (بیٹھا) ہے۔“

اگر کتا ۳۰۹ سال تک ویوں کی چوکھٹ پر استقامت کے ساتھ بیٹھا رہا تو ہر روز کی دو گھنٹے کی مجلس میں شیخ جنید بغدادی کے لئے کیوں نہیں بیٹھ سکے گا؟ ائمہ تفسیر نے لکھا ہے کہ جب اندر اللہ رب العزت کے فیوض اترتے اور اصحاب کہف دائیں اور بائیں کروٹ بدلتے تو عین اسی وقت کتے کی کروٹ بھی دائیں اور بائیں بدلتی رہتی تھی۔ اندر ان کی کروٹ بدلتی اور باہر کتے کی کروٹ بدلتی۔ یعنی کتے کو ان کی چوکھٹ پر استقامت کے ساتھ بیٹھنے کے نتیجے میں ان کی توجہ کا جو فیض ملتا تھا وہ فیض الوہیت اللہ رب العزت کی طرف سے اس کے اصحاب کے ساتھ ربط قائم رکھنے کی وجہ سے ملتا تھا۔ وہ فیض آسمان سے آتا تھا اور اصحاب کہف کو ملتا تھا گئے کو نہیں ملتا تھا۔ اصحاب کہف جو فیض پاتے اس کا انعکاس توجہ کی شکل میں کتے کی طرف ہوتا، کیونکہ وہ ان کی چوکھٹ پر استقرار و استمرار اور وفاداری اور استقامت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ان کے فیض کا حصہ کتے کو ملتا اور یہاں تک ملتا کہ اس کی کروٹ بھی دائیں بائیں بدل جاتی۔ نتیجتاً وہ بھی اصحاب کہف کے ساتھ ۳۰۹ تک زندہ و سلامت رہا۔

آپ نے دیکھا کہ جب کوئی محبت میں اہل اللہ کے ساتھ متصل ہوتا ہے اور وہ اسے اپنی توجہ کے ساتھ متحد کر لیتے ہیں تو جو کیفیات ان پر وارد ہوتی ہیں ان کیفیات کا پرتو اصحاب کہف کا کتا ہو تو اس پر بھی وارد ہوتا ہے۔ یہ قرآن مجید کی نص صریح میں بیان

(۱) الکہف، ۱۸: ۱۸

ہے۔ پھر اس کتے کو معیت بھی ملی۔ چونکہ کتے نے معیت اختیار کر لی اور معیت پر استقامت اختیار کر لی تو یہ کیفیات اور یہ احوال ۳۰۹ سال تک رہے۔ دھوپ سے، تپش سے اور گرمی سے ان کے جسم کو اللہ نے محفوظ اور سلامت رکھا۔ پھر انہیں اللہ نے زندہ کیا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کتے سے کیا غرض تھی اللہ تعالیٰ کو؟ کتے کو زندہ و سلامت، تروتازہ رکھنا تو نہ خدا کی غرض تھی نہ مقصود تھا۔ اس کی غرض تو اصحاب کہف کے ساتھ تھی کہ یہ اس کے بندے ہیں، اس کے ولی ہیں، لہذا ان کی حفاظت کروں۔ ۳۰۹ سال کے بعد اٹھے تو کہتے تھے:

لَبِشْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ^(۱)

”ہم (یہاں) ایک دن یا اس کا (بھی) کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔“

تین صدیاں گزر گئیں اور ان کے جسموں کا حال تک متغیر نہ ہوا تھا۔ رب کائنات نے ان کے جسم کو اتنا محفوظ رکھا۔ جہاں ولیوں کے جسم محفوظ رہے، تین سو سال تک کتے کا جسم بھی محفوظ رہا۔ اس کے احوال بھی بدلتے رہے۔ دراصل جب توجہ کرنے والے اور توجہ لینے والے کے مابین اتحاد ہو جاتا ہے تو توجہ لینے والے کے احوال میں تغیر واقع ہوتا ہے اور اس کی کیفیات توجہ کے ساتھ متصل ہو جاتی ہیں۔

یہ قرآن ہے اور قرآن نے بات یہاں تک پہنچا دی کہ اس کے بعد کہا کہ اگر تم پوچھو کہ وہ کتنے تھے؟ تو:

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ^(۲)

”(اب) کچھ لوگ کہیں گے: (اصحاب کہف) تین تھے ان میں سے چوتھا ان کا کتا تھا۔“

(۱) الکہف، ۱۸: ۱۹

(۲) الکہف، ۱۸: ۲۲

ذرا طریقہ کلام ملاحظہ کریں۔ اللہ نے فرمایا:

وَيَقُولُونَ خَمْسَةَ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ. (۱)

”اور بعض کہیں گے: پانچ تھے ان میں سے چھٹا ان کا کتا تھا۔“

کہنے والے اصحاب کہف کا عدد گن رہے ہیں۔ رب ذو الجلال ان کے ساتھ ان کے کتے کو ملا رہا ہے۔

وَيَقُولُونَ سَبْعَةً وَثَنًا مِنْهُمْ كَلْبُهُمْ. (۲)

”اور بعض کہیں گے: (وہ) سات تھے اور ان میں سے آٹھواں ان کا کتا تھا۔“

یہاں لفظ دیکھئے: بعض کہتے ہیں سات تھے، رب کہتا ہے سات تھے تو آٹھواں ان کا کتا تھا۔ یعنی استقامت نے وہ معیت عطا کر دی کہ جہاں جہاں بھی اصحاب کہف کا ذکر قرآن میں آیا ان کے عدد کے ساتھ کتے کا ذکر بھی قرآن میں آیا۔ یہ کلام الہی ہے اور حق ہے؛ کوئی افسانہ، کہانی یا حکایت نہیں۔ تو قاعدہ یہ معلوم ہوا کہ اگر کتا بھی توجہ پائے تو اس کے نتیجے میں اسے معیت کا ثمر ملتا ہے۔

یہ نکتہ اس لئے سمجھا دیا ہے کہ کوئی انکار نہ کرے کہ توجہ کے اثرات کیا ہوتے ہیں۔ نہ اصحاب کہف کو صبح آ کے کوئی ناشتہ اور کھانا دے جاتا تھا نہ کتے کو کوئی چھپڑے ڈال جاتا تھا مگر بغیر کھائے پئے وہ زندہ رہے اور بغیر کھائے پیئے کتا بھی زندہ رہا۔ تین صدیاں اس کی زندگی کس لئے برقرار رکھی۔ اصحاب کہف کو جو صوتِ سرمدی کا فیض ملتا تھا اس کا حصہ صحبت و قربت کی وجہ سے کتے کو منتقل ہوتا تھا۔

جب غار ثور میں تین دن اور تین راتیں سیدنا صدیق اکبر ﷺ کو آقا ﷺ کی یکسوئی اور یکجہتی سے جو توجہ خاص نصیب رہی وہ توجہ اتحادی تھی۔ کیا آپ اندازہ کر سکتے

(۱) الکہف، ۱۸: ۲۲

(۲) الکہف، ۱۸: ۲۲

ہیں کہ اس توجہ نے سیدنا صدیق اکبر ﷺ کے ظاہر و باطن کو کتنا بدل دیا ہوگا؟ ایک صادق اور متبع مرید پر اپنے شیخ کا فیضِ توجہ ہو تو آپ دیکھتے ہیں کہ مرید کی زندگی بدل جاتی ہے، اس کی ہیئت بدل جاتی ہے، وہ دیکھنے میں شیخ کی طرح لگتا ہے، اس کی عادات بدل جاتی ہیں اور یہ سب کچھ ارادی اور اختیاری طریقے سے نہیں استعارتاً بدلتے ہیں۔ توجہ کا فیض ہوتا ہے جس سے اس کے ظاہر و باطن میں انقلاب آتا ہے۔ جب توجہ مصطفیٰ ﷺ ہو، غارِ ثور کی تنہائی ہو اور توجہ لینے والے ابوبکر صدیق ﷺ ہوں تو آپ اندازہ کریں کہ توجہ کے فیض نے ان کے ظاہر و باطن کو تاجدارِ کائنات ﷺ کے ظاہر و باطن کے ساتھ کتنا متحد کر دیا ہوگا۔

میلاد النبی ﷺ اور قدومِ مدینہ میں مماثلت

صحیح بخاری شریف (کتاب المناقب، باب ہجرة النبي وأصحابه إلى المدينة، ۳: ۱۲۲۱) کی حدیث نمبر ۳۶۹۴ ملاحظہ کریں۔ یہ حدیث ہر کسی نے پڑھی، ہر کوئی پڑھتا اور ہر شیخ الحدیث پڑھتا اور ہر مدرسہ کا طالب علم پڑھتا ہے۔ ہر کوئی پڑھتا پڑھاتا ہے مگر اس کی شرح آج مجھ سے یہاں پڑھیں۔ صحیح بخاری کی کتاب فضائل الصحابة میں ہے کہ جب آقا ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے تو ۱۲ ربیع الاول اور پیر کا دن تھا۔ جس دن ولادت تھی اللہ نے وہی دن قدومِ مدینہ کا رکھا۔ پھر وہی پیر کا دن اور وہی ۱۲ ربیع الاول کا دن حضور ﷺ کے وصال کا رکھا۔ میلاد کا دن ۱۲ ربیع الاول اور پیر، یہی دن قدومِ مدینہ کا اور یہی وصال مبارک کا۔ تین دن یکجا کر دیے، اس لئے کہ قدومِ پیر کے دن استقبال کا جشن کیا اور مدینہ میں لوگ شاداں و رقصاں تھے اور طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا پر تالیاں بج رہی تھیں، دف بج رہی تھی۔ بچے اور بچیاں گلیوں میں نعرے لگا رہے تھے۔ بوڑھے چھتوں پر تھے۔ يَا مُحَمَّد، يَا رَسُولَ اللَّهِ کے نعرے لگ رہے تھے اور استقبال کرنے والے جلوس کی شکل میں اکٹھے ہو رہے تھے۔

میں سوچنے بیٹھ گیا کہ اللہ نے ان تینوں مواقع کی ایک ہی تاریخ اور ایک ہی

دن کیوں رکھ دیا؟ یہ بات تو سمجھ میں آئی کہ قدمِ مدینہ کے دن جشن تھا۔ مگر جس دن ولادت ہوئی اس دن کس کو معلوم تھا کہ یہ نبی آخر الزماں ﷺ ہیں؟ اس دن تو دنیا والوں نے جشن نہ کیا۔ رب نے آسمانوں پر جشن کیا، ستارے بھیجے، سب کچھ ہوا مگر زمین پر جشن نہیں تھا۔ اس دن پتہ نہیں تھا کہ یہ نبی آخر الزماں ہیں مگر ۱۳ برس کی بعثت کے بعد جب مدینہ داخل ہو رہے تھے تو ساری دنیا جانتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دن متحد کر دیے: ولادت، ہجرت اور وصال۔ اُس وقت تو خبر نہ تھی کہ یہ کون ہیں؟ آج ہر کوئی جانتا ہے کہ کون ہیں، سو پورے مدینہ میں جشن تھا۔ رب نے دونوں دن اس لئے متحد کئے کہ جو چاہے حضور ﷺ کے میلاد کا دن سمجھ کر منالے، جو چاہے قدمِ مدینہ کا دن سمجھ کر منالے۔

غارِ ثور میں قیام کا فیصلہ کیوں فرمایا؟

۱۲ ربیع الاول کا دن جشن کا دن ہے۔ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب وہ ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ میں قبا پہنچ گئے تو لوگ تین چار دن سے انتظار کر رہے تھے، خبر تو مل چکی تھی کہ مکہ سے چل پڑے ہیں۔ سفر کا بھی اندازہ تھا لیکن لوگوں کو نہیں معلوم تھا کہ تین دن غارِ ثور میں رک گئے۔ اب غور طلب نکتہ یہ ہے کہ غارِ ثور میں کیوں رکے؟ اس میں حکمت تھی۔ اللہ کا آخری پیغمبر معمولی کام بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم کے بغیر نہیں کرتا تو زندگی کے اس اہم سفر کے تین اہم ترین دن غار میں کیسے بیٹھ کر گزارے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے سے قبل آئیے ہجرت کا منظر ذہن میں لائیں۔

اللہ کے رسول ﷺ گھر سے نکلتے ہیں۔ کفار و مشرکین نے گھیرا ڈال رکھا ہے، شہید کرنا چاہتے ہیں تو اس مجمع سے نکل کیسے گئے؟ تلواریں تان کر لوگ گھر کو گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ اس گھیرے کے اندر سے نکل کیسے گئے؟ تو جو نبی تلواروں کے گھیرے میں سے ان کی آنکھوں کے سامنے حفاظت سے نکل سکتا ہے وہ غارِ ثور میں رُکے بغیر حفاظت سے مدینہ کیوں نہیں جاسکتا تھا؟

چلیں نبی کی بات نہیں کرتے ہم اللہ رب العزت کی بات کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں جو رب کافروں کی تلواروں کے گہرے حصار میں سے اپنے محبوب ﷺ کو محفوظ نکال کر لے جا سکتا ہے اس رب کو کیا حاجت ہے کہ اسے دشمنوں سے بچانے کے لئے تین دن غار کی تنہائیوں میں چھپائے رکھے۔ سیدھا نہیں لے جا سکتا تھا کہ جو کافر حملہ کرنے کی غرض سے آئے، ناپینا ہو جائے؟ حضور ﷺ نے کنکریاں پھینکیں تو کفار ناپینا ہو گئے۔ کسی کو کچھ نظر نہ آیا اور آقا ﷺ گذر گئے۔ تو جس طرح مکہ کی گنجان اور دشمن آبادی سے گزر گئے اُسی طرح اللہ کی قدرت سے مدینہ بھی چلے جاتے۔ مجبوری کیا تھی یا غرض کیا تھی؟ غرض کے اندر جھانکیں کہ جو رب بحفاظت تلواروں کے گہرے سے نکال سکتا ہے وہ بہ حفاظت پہنچا نہیں سکتا تھا؟ تین دن اور تین راتیں غار میں کیوں روکے رکھا؟

میں نے جب اس نکتے پر غور کیا تو صحیح البخاری (کتاب المناقب، ۳: ۱۴۲۱، رقم: ۳۴۹۱) سے میری سمجھ میں کچھ اور بات آئی۔ صحیح بخاری اٹھائیے، مسلم اٹھائیے، متفق علیہ حدیث ہے کہ آقا ﷺ ابھی غار میں نہیں تھے باہر تھے اور سراقہ پہنچ گیا، آمنے سامنے ہو گئے۔ سیدنا صدیق اکبر ﷺ گھبرا کر عرض کرنے لگے: آقا! سراقہ آیا ہے۔ فرمایا: کوئی پرواہ نہیں آنے دو۔ جب سراقہ آ گیا تو آپ ﷺ نے اس کو دیکھا اور کہا: سراقہ کس لئے آئے ہو؟ کہنے لگا: ایک سو اونٹوں اور علاوہ ازیں بے حساب انعام و اکرام کا اعلان ہوا ہے، غریب آدمی ہوں، مقدر بدلنے کے لئے آیا ہوں کہ آپ کو گرفتار کر لوں گا اور اتنا مال ملے کہ میری نسلوں کا مقدر بدل جائے گا۔ آقا ﷺ نے توجہ فرمائی تو اس کا گھوڑا اپنی ٹانگوں سمیت پیٹھ تک پتھر میں دھنسن گیا۔^(۱)

سمجھنا یہ مقصود ہے بھلا کوئی کافر آ بھی جاتا تو کیا حضور ﷺ کو گرفتار کر لیتا؟ وہ جو ایک آ گیا تھا، کافی ہے کہ پہنچ تو گیا، مگر اس کے گھوڑے کی ٹانگیں پتھر میں دھنسن

(۱) بخاری، الصحيح، کتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام،

۳: ۱۴۲۳، الرقم: ۳۴۱۹

کنیں۔ اس نے توبہ کر لی، کلمہ پڑھ لیا اور عرض کی کہ حضور میری نسلوں کی توبہ مجھے یہ انعام نہیں چاہئے اب مجھے اور میرے گھوڑے کو نکال دیں، میں واپس چلا جاتا ہوں، ان کو کہوں گا کہ آپ اس راستے پر نہیں ہیں۔ آقا ﷺ نے توجہ فرمائی تو گھوڑا پتھر سے نکل آیا۔ ایک توجہ سے گھوڑا دھنسا دیا اور ایک توجہ سے گھوڑا نکال دیا۔ جب عالم توجہ کا یہ ہو تو ان کو تین دن اور تین راتیں غارِ ثور میں بیٹھنے کی حاجت کیا تھی؟ یہ تو متفق علیہ حدیث ہے اس کا تو انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اس مضمون کی دوسری حدیث السیرۃ الحلبیۃ (ج: ۲، ص: ۲۵) میں ہے۔ آقا ﷺ نے نکلتے ہوئے فرمایا: سراقہ! کہتے ہو غریب ہوں جبکہ میں تمہارے ہاتھوں میں شاہِ ایران کے سونے کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ وقت گزرتا گیا۔ دس سال مدینہ کے گزر گئے۔ ڈھائی سال صدیقی دور کے گزر گئے۔ پھر سیدنا فاروق اعظم کا دورِ خلافت آ گیا۔ کتنا زمانہ بیت گیا جب آپ نے فرمایا تھا۔ مدت گزر گئی۔ فاروق اعظم ﷺ کے عہد میں ایران فتح ہو گیا، مالِ غنیمت آیا، کسریٰ و ایران کا سامان آیا، مسجدِ نبوی کے صحن میں مالِ غنیمت کا ڈھیر لگ گیا۔ صحابہ کرام ﷺ جو اس لشکر کے فوجی تھے، تقسیم کے منتظر ہیں اور امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم ﷺ تقسیم کرنے کے بجائے اس ڈھیر کے ارد گرد چکر لگا رہے ہیں اور اس کے اندر بار بار ہاتھ مار کر کھنگالتے ہیں کسی چیز کو تلاش کر رہے ہیں۔ لوگ پوچھتے ہیں: امیر المومنین! کیا ماجرا ہے، آپ مالِ غنیمت تقسیم نہیں فرما رہے، کچھ تلاش کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہجرت کے سفر میں میرے آقا ﷺ نے سراقہ کو کہا تھا کہ تیری کلائیوں میں کسریٰ ایران کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ ایران آج سترہ سال کے بعد فتح ہوا ہے اور کسریٰ ایران کا سامان آیا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ مصطفیٰ ﷺ کی زبانِ اقدس سے نکلا ہوا جملہ غلط نہیں ہو سکتا۔ اس کے سونے کے کنگن ضرور آئے ہوں گے، وہی دیکھ رہا ہوں۔ ایک صحابی دوڑے اور ڈھیر سے شہنشاہِ ایران کے کنگن نکال کر امیر المومنین کو پیش کئے۔ ذرا منظر چشم تصور میں لائیں۔ وہ فاروق اعظم ﷺ جن کے دورِ خلافت میں کوئی مرد سونے کی

انگوٹھی پہن کر مدینہ کی گلیوں میں چلنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ سونا پہننے پر مردوں کو کوڑے لگتے تھے۔ انہوں نے مجمع صحابہ میں سراقہ کو طلب کیا اور اپنے ہاتھوں سے اسے سونے کے کنگن پہنا دیئے۔ چونکہ سونا مردوں کے لئے حرام تھا اس لئے کسی نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ فرمانے لگے: ہم کیا جانیں، حلال کیا ہے، حرام کیا ہے؟ مردوں کے لئے سونے کو مصطفیٰ ﷺ نے حرام کیا تھا، سراقہ کے لئے کنگن بھی وہی حلال فرما گئے۔

اب پھر آئیے اُسی سوال کی طرف کہ جب کیفیت یہ ہے تو تین دن اور تین راتیں راستے میں کیوں قیام فرمایا؟ غار میں کیوں بیٹھے رہے؟ نہ رب کمزور، نہ محبوب کمزور، اور حضور ﷺ کا ہاتھ بھی یَدُ اللہ یعنی اللہ کا ہاتھ۔ ایک مٹھی بھر کر مٹی پھینکی تو غزوہ حنین میں چالیس ہزار کفار کو نابینا کر دیا۔ ایک مشت خاک پھینکی تو مکہ میں سب تلوار تاننے والے کفار کو اندھا کر دیا اور ان کے اندر سے گزر کر نکل گئے، کسی کو نظر نہیں آئے۔ وہی نبی پھر غار ثور میں تین دن کیوں رکے؟

غور کیا تو اس کا جواب مجھے شب معراج سے ملا۔ یہ اسی طرح کا ماجرا ہے جس میں کوئی راز تھا۔ صحیح بخاری (کتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۳۵، رقم: ۳۴۲) کی متفق علیہ حدیث ہے۔ اللہ رب العزت کو معلوم تھا کہ نمازیں بالآخر پانچ ہی رہیں گی مگر پچاس نمازیں دے دیں۔ معلوم تھا کہ پلٹ پلٹ کر آئیں گے اور پانچ پانچ کر کے معاف کرتا جاؤں گا اور آخر میں پانچ ہی رہ جائیں گی۔ تو جب بائیس ہی دینا تھیں تو چکر کیا ضرور لگوانے تھے؟ پہلے ہی پانچ دے دیتے مگر ۵۰ نمازیں دے کر روانہ کر دیا۔ کیا اللہ کے علم میں نہیں تھا کہ نمازیں کتنی ہوں گی؟ یہ معاملہ دراصل اور تھا۔ اُدھر رجسٹر میں کوہ طور کی رات والی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک درخواست pending پڑی تھی جب عرض کیا تھا: رَبِّ ارْنِی (اے رب! مجھے (اپنا جلوہ) دکھا)۔ جواب دیا تھا: لَنْ تَرَانِی (تم مجھے (براہ راست) ہرگز دیکھ نہ سکو گے)۔ یہ نہیں فرمایا تھا کہ کوئی نہیں دیکھ سکتا بلکہ کہا: تو نہیں دیکھ سکتا۔

کوہ طور کا واقعہ تو گذر گیا مگر ان کی درخواست منظور کرتے ہوئے کہا کہ قبولیت فوری طور پر نہیں ہوگی، قبولیت کے لئے انتظار کرو۔ جب میرا محبوب جو مجھے دیکھنے والا ہے معراج کی رات مقام اُو اذنیٰ پر آئے گا اور میرا دیدار کر کے جائے گا تو اسے پچاس نمازیں دوں گا۔ عرفاء نے لکھا ہے موسیٰ علیہ السلام نے ۹ بار رَبِّ اِرنی کی درخواست کی تھی۔ فرمایا: تو چھپے آسمان پر راستے میں کھڑے ہو جانا میں پچاس دے کر بھیجوں گا تو کہنا: یا رسول اللہ! آپ کی اُمت پچاس نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی، کم کروالائیں۔ اور جب وہ آئیں تو ان کو دیکھ لینا۔ وہ پھر میرے پاس آئیں گے میں اکٹھی کم نہیں کروں گا، پھر پانچ کم کروں گا تمہاری درخواستیں نو (۹) ہیں۔ نو بار وہ مجھے دیکھیں گے۔ میری توجہ لے کر جائیں گے۔ (اب یہ توجہ اتحادی کا مضمون ہے جس میں ظاہر و باطن متحد ہو جاتے ہیں۔) میری تجلیات ذات و صفات بھی لے کر جائیں گے۔ میرے جلوے کا پیکر بن کر جائیں گے، ان کو تکتے رہنا۔ ان کو تکنا ہی میرا تکنا ہو جائے گا۔ تم نے نو (۹) بار درخواست کی تھی وہ نو (۹) بار آئیں گے اور جائیں گے۔ معراج کی شب ان کو دیکھ لینا تمہاری طور کی دعا کی تکمیل ہو جائے گی۔ جس طرح شب معراج تکمیل دعا کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو کھڑا کر دیا کہ ان کے دیدار خداوندی کی تمنا پوری ہو جائے، غارِ ثور میں قیام کا بھی ایسا ہی راز ہے۔ یہ دن اور راتیں قدرت نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے مقدر کر دی تھیں۔ ظاہر لوگوں سے بچ کر غار میں پناہ لی دراصل اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پہلے مصطفیٰ ﷺ میں بٹھا کر خصوصی توجہ اور تربیت کا اہتمام فرمایا۔ ان کی وفا اور عشق کے امتحان بھی لئے اور انہیں قربت و معیت کے بلند درجات بھی عطا فرمائے۔

خصوصی حالات کے لئے خصوصی تیاری

وصال مصطفیٰ ﷺ کے بعد امت میں بہت بڑے فتنے یک دم پیدا ہونے والے تھے۔ امت میں عام طاقت اور صلاحیت والا کوئی شخص اس صورت حال کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت کا فتنہ پیدا ہونے والا تھا۔ نبوت کے پانچ جھوٹے

دعوے دار پیدا ہو گئے تھے اور ان میں ایک عورت نے بھی سراٹھا لیا تھا۔ قبائل مرتد ہو گئے۔ منکرین زکوٰۃ کا فتنہ آ گیا۔ لوگ کہنے لگے: ہم کیوں زکوٰۃ کا مال کیوں دیں؟ اپنے اپنے قبیلے پر لگائیں گے۔ اُدھر پانچ سو حفاظ اور قاری جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے اور حفاظ قرآن کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ مدعیان نبوت سے ٹکراؤ کا مسئلہ آ گیا۔ ایک طرف محبوب کبریا ﷺ کی جدائی اور دوسری طرف اتنا بڑا ہنگامہ خیز دور کہ جب سیدنا صدیق اکبر ﷺ ان سے جہاد کرنے کا فیصلہ کرنے لگے تو سیدنا فاروق اعظم ﷺ نے آ کر ہاتھ تھام لیا اور کہا: امیر المؤمنین! اتنا سخت فیصلہ نہ کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں شکست ہو جائے اور مدینے کی باگ ڈور بھی ہاتھ سے جاتی رہے۔ اس لمحے سیدنا صدیق اکبر ﷺ نے سیدنا فاروق اعظم ﷺ کے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا: عمر! تم تو اسلام سے پہلے اتنے جری تھے آج کمزوری کی بات کر رہے ہو! خدا کی قسم! ساری دنیا پلٹ جائے، ابوبکر صدیق اپنے مصطفیٰ ﷺ کے دین کے تحفظ کی ذمہ داری پوری کر کے رہے گا۔

یہ وہ ماحول تھا جو اللہ رب العزت دیکھ رہے تھے کہ ادھر آقا ﷺ کا وصال ہو گا اور معاً بعد انتہائی شدید چار فتنے سراٹھائیں گے۔ جہاں فاروق اعظم ﷺ جیسا مضبوط ایمان اور اعصاب والا مرد دانا بھی گھبرا جائے گا۔ ایسے میں ان معاملات کو سنبھالنا کسی کی ذاتی بشری طاقت اور صلاحیت کے بس میں نہ ہوگا۔ اس کو سنبھالنا تدبیر نبوت ہی سے ممکن ہوگا اور مصطفیٰ ﷺ کے بعد کسی نبی نے تو آنا نہیں۔ ان فتنوں کا مقابلہ ابوبکر صدیق ﷺ خود نہ کر سکتے تھے اس مقصد کے لئے انہیں قوت و تدبیر نبوت کی حاجت تھی۔ اس کی تیاری کے لئے تین راتیں اور تین دن مصطفیٰ ﷺ کی توجہ دلائی تاکہ جب اسلام پر کڑا وقت آئے اور ہر ایک کے قدم ڈگمگا جائیں اور ہر کوئی لرزہ بر اندام ہو اور فاروق اعظم ﷺ جیسے جری گھبرا جائیں اور قبائل اٹے پاؤں پھرتے جا رہے ہوں، مرتد ہو رہے ہوں، اُس وقت اسلام کو سنبھالا دینے کے لئے تدبیر نبوت والے صدیق اکبر ﷺ کی ضرورت پڑے گی جن کے پاس قلب نبوت کی کیفیات ہوں گی۔ وہ کیفیات منتقل کرنے کے لئے حضور ﷺ

تین دن تین راتیں سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ کو توجہ دیتے رہے اور انہیں اس مقام کے لئے تیار فرماتے رہے۔ جب تیار فرمایا تو تیاری ایسی ہوئی کہ ظاہر و باطن دونوں حضور ﷺ سے متحد ہو گئے۔

سیدنا ابوبکر ﷺ پر توجہِ اتحادی کے مظاہر

تین دن تین راتیں توجہ دے کر اپنے ظاہر و باطن سے متصل کر لیا تاکہ کڑے وقت میں صدیق اکبر ﷺ تدبیر نبوت اور قوتِ قلب محمدی ﷺ اور استقامتِ قلب محمدی ﷺ کے فیض کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ خالی اپنی ذاتی استقامت اور استطاعت کام نہیں آئے گی۔ لہذا تیاری ہوگی تو ظاہر و باطن کو متحد کر دیا اور اتنا متحد کیا کہ جب اُس سفرِ ہجرت کے بعد مدینہ پہنچے اور اعلان ہو گیا کہ حضور ﷺ آگئے ہیں تو دنیا جمع ہو گئی۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں:

فَقَامَ أَبُو بَكْرٍ لِلنَّاسِ. (۱)

جب لوگ استقبال کے لئے پہنچے تو صدیق اکبر ان کے لئے پہلے ہی کھڑے تھے۔ بیٹھے ہی نہیں۔ وَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اور آقا ﷺ بیٹھ گئے۔ جب خادم اور مخدوم اکٹھے آئیں تو آقا کو بٹھایا جاتا ہے، غلام کھڑا ہوتا ہے۔ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں کہ صدیق اکبر ﷺ لوگوں کے لئے کھڑے ہو گئے۔ لوگوں میں سے کچھ نے تو رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہوا تھا اور کچھ وہ تھے جو مسلمان ہو گئے تھے مگر دیکھا نہیں تھا۔ ابوبکر صدیق ﷺ لوگوں کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آپ لوگوں کے لئے اس طرح کھڑے تھے کہ وہ ہر آنے والے سے کہیں کہ یہ حضور ﷺ تشریف فرما ہیں۔ آپ لوگوں کی خدمت کا یہ فریضہ سرانجام دے رہے تھے۔ کچھ لوگ جنہوں نے حضور ﷺ کو نہیں دیکھا تھا، حضرت ابوبکر ﷺ کے

(۱) بخاری، الصحيح، کتاب المناقب، باب ہجرة النبي ﷺ وأصحابه

ﷺ إلى المدينة، ۳: ۱۲۲۱، الرقم: ۳۶۹۴

ساتھ ہاتھ ملا تے تھے۔

آقا ﷺ مدینہ میں دن چڑھے تشریف لائے۔ دھوپ آچکی تھی، ۱۲ ربیع الاول کو آپ ﷺ کا انتظار تھا۔ پھر جب لوگ آتے تو حضرت ابوبکر ﷺ سے آکر ملتے اور سلام کرتے۔ اس صورت حال میں سیدنا صدیق اکبر ﷺ نے لوگوں کی آسانی کے لئے مزید اہتمام کیا۔ آپ کھڑے تو پہلے ہی تھے، اپنی چادر اٹھائی اور کھول کر آقا ﷺ کے سر انور پر تان کر غلاموں کی طرح کھڑے ہو گئے۔ فَعَرَفَ النَّاسُ رَسُولَ اللَّهِ۔ تب لوگوں کو صحیح طور پر معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔

یہ کہنا کہ جن لوگوں نے حضور کو نہیں دیکھا تھا وہ مغالطے میں حضرت ابوبکر ﷺ سے ہاتھ ملا تے تھے، قرین قیاس نہیں۔ اس صورت میں کہ جب آقا ﷺ بیٹھے ہیں اور صدیق اکبر ﷺ لوگوں کو بتانے کے لئے کھڑے ہیں تو مغالطہ کیسا؟ مغالطے کا تو امکان ہی نہیں تھا۔ پھر کیا تاجدار کائنات ﷺ کے چہرہ انور کا حسن تجلی اور چہرہ ابوبکر ﷺ کا حسن ایک ہو سکتا تھا؟ کیا دونوں کے چہرے کا نور ایک ہوگا؟ جاہ و جلال اور جاہ و جمال ایک ہوگا؟ پھر حضور ﷺ شاہانہ شان کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور صدیق اکبر ﷺ غلامانہ شان کے ساتھ کھڑے ہیں اور بتانے کے لئے کھڑے ہیں کہ یہ آقا ﷺ تشریف فرما ہیں۔ پھر مغالطہ کیسا؟ واقعہ یہی ہوا کہ لوگ ان سے ہاتھ ملا تے مگر آپ نے سرکار کے سر انور پر چادر تان دی اور خود غلامانہ انداز میں ساتھ کھڑے ہو گئے۔ اب چادر تاننے سے بعض شارحین نے یہ اخذ کیا کہ دھوپ سے بچائیں۔ مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ حضور ﷺ کو دھوپ سے تورب خود بچاتا تھا۔ آقا ﷺ تو جدھر جاتے بادل سایہ کرتا تھا۔ ابھی آقا ﷺ پانچ سال کے تھے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ آپ کو چھوڑنے کے لئے آئیں اور آپ نے بتایا کہ آپ جدھر جاتے ہیں بادل ان پر سایہ کرتا ہے۔ ان حالات کو دیکھ کر مجھے ڈر ہے کہ یہودی شہید نہ کر دیں اس لئے امانت ہے میرا دل ڈرتا ہے۔ چار سال کی عمر میں

بادل سایہ کرتا تھا تو دھوپ کیسی؟^(۱)

تیس کتب حدیث کثیر طرق کے ساتھ روایت لاتی ہیں کہ آقا ﷺ نو سال کے تھے جب حضرت ابوطالب کے ساتھ شام کے سفر پر گئے اور راہب بحیرہ نے دیکھا اور کہا انہیں واپس لے جاؤ یہ نبی آخر الزماں ہیں۔ پوچھا: کیوں؟ کیسے پتہ چلا؟ اس نے کہا خدا کی قسم میں نے دیکھا جدھر جاتے ہیں ایک تو ہر درخت انہیں سجدہ کرتا ہے اور جہاں بیٹھتے ہیں بادل سایہ کرتے ہیں۔ یہ نبی آخر الزماں کی علامت ہے۔ چار سال کے تھے تو بادل سایہ کرتے تھے، نو سال کے تھے تو بادل سایہ کرتے تھے ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ الکبریٰ ﷺ کی تجارت کے لئے شام گئے اور میسرہ غلام ساتھ تھا۔ واپسی پر حضرت خدیجہ نے غلام سے پوچھا: کیا دیکھا۔ اس نے کہا: خدا کی قسم! جہاں جاتے ان پر بادل سایہ کرتا تھا۔ جب اطلاع ملی کہ آقا ﷺ آرہے ہیں تو حضرت خدیجہ سہیلیوں کو ساتھ لے کر چھت پر چڑھ گئیں اور جب حضور ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو چلا جاتی دھوپ تھی۔ خدیجہ الکبریٰ ﷺ نے خود دیکھا کہ آپ ﷺ پر بادل سایہ فگن تھا۔ اُسی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ حضور ﷺ کو پیغام نکاح بھیج دیں۔ آقا ﷺ پر تو بادل کا سایہ بچپن سے آخر تک تھا۔ آپ کے لئے تو دھوپ سے بچنے کے لئے کسی چادر تاننے کی ضرورت نہ تھی۔ لہذا دھوپ تو سب نہ تھی، پھر چادر کا سایہ کیوں کیا؟ اور سب یہ بھی نہ تھا کہ آقا ﷺ کون ہیں اور غلام کون؟ خادم کون ہیں اور مخدوم کون؟ کیونکہ وہ کھڑے تھے اور حضور ﷺ بیٹھے تھے۔ ہر کوئی جانتا ہے جو کھڑا ہے وہ خادم ہے اور جو بیٹھا ہے وہ آقا ہے۔ اور کوئی چادر بھی تو بچائی ہوگی حضور ﷺ کو بٹھانے کے لئے، پھر بیٹھنے کا انداز بھی بتا دیتا ہے کہ آقا یہ ہیں۔

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب ما جاء فی بدء نبوة

النبي، ۵: ۵۹۰، الرقم: ۳۶۲۰

۲۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۲: ۶۷۲

دراصل یہ سب غارِ ثور کی معیت اور توجہ اتحادی کا نتیجہ تھا۔ تین دن اور تین راتیں آقا ﷺ کی توجہ رہی تو صدیق اکبر ﷺ کا چہرہ بدل گیا تھا۔ آپ کے چہرے پر چہرہ مصطفیٰ ﷺ کا رنگ چڑھ گیا تھا۔ ظاہر و باطن متحد ہو گئے تھے۔ باوجود اس کے کہ آقا ﷺ بیٹھے تھے اور وہ کھڑے تھے، شکل و صورت میں مشابہت اور ظاہر و باطن میں مماثلت غارِ ثور کی تین راتوں کی توجہ نے اتنی پیدا کر دی تھی کہ دیکھنے والوں کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ مصطفیٰ ﷺ کون ہیں اور غلام کون ہیں؟ جب حضرت صدیق اکبر ﷺ یہ معاملہ جان گئے کہ لوگوں کو مغالطہ لگ رہا ہے تو سمجھ گئے کہ مشابہت ہو گئی ہے، پھر چادر تان کر کھڑے ہو گئے تاکہ ہر دیکھنے والا یہ عمل دیکھ کر یقین کر لے کہ جو چادر تان کر کھڑا ہے وہ غلام ہے اور جو بیٹھے ہیں وہ آقا ﷺ ہیں۔

یہ غارِ ثور کی توجہ اتحادی کا نتیجہ تھا جس نے ظاہر و باطن متحد کر دیا، اپنے احوال و کیفیات میں غرق کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بقا عطا کر دی۔ سو جب اڑھائی سال وہ اسلام کے دفاع میں ایک ناقابل شکست پہاڑ بن کر کھڑے رہے تو وہ دراصل قوت صدیقی سے نہیں قوت محمدی ﷺ کے ساتھ کھڑے تھے۔ تدبیر نبوت کے ساتھ کھڑے تھے۔ غارِ ثور میں تین روزہ قیام کا یہی سبب تھا۔ آپ پر تین دن اور تین راتیں غارِ ثور میں توجہ دینا مقصود تھا اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد کے ایام کی تیاری مقصود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آقا علیہ السلام کے وصال کے دن آئے، آپ ﷺ علیل ہوئے تو حکم فرمایا کہ ابو بکر نماز پڑھائیں اور آپ تین دن نماز پڑھاتے رہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی میں باہر نہیں آسکتا۔ لہذا کسی سے کہیں کہ نماز پڑھائے۔ صحابہ کرام ﷺ نے صدیق اکبر ﷺ کو آواز دی، ادھر ادھر دیکھا، اتفاق سے صدیق اکبر ﷺ اس وقت موجود نہ تھے تو انہوں نے سیدنا فاروق اعظم ﷺ کو عرض کر دیا اور انہیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کر دیا، جب وہ کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ نے نمازیوں کی صفیں سیدھی کرنے کے لئے کہا اور آقا ﷺ نے فاروق

اعظم ﷺ کی آواز سنی تو آپ سمجھ گئے کہ عمر نماز پڑھا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے حجرہ مبارک سے سرانور باہر نکال لیا اور فرمایا: لا لالا۔ میں نے اس وقت نام تو نہیں لیا تھا مگر میں چاہتا ہوں کہ ابوبکر ابن ابی قحافہ نماز پڑھائے، اور کوئی نہ پڑھائے۔ تین دن اور تین رات تنہا جسے توجہ دے کر تیار کر کے لایا ہوں اس نے بڑے معر کے سر کرنے ہیں۔ آقا ﷺ لا لالا کہتے ہوئے بستر سے اٹھ کر باہر آ گئے کہ نماز ابوبکر پڑھائے۔^(۱) اس کے بعد ہر کوئی اپنے وقت پر پڑھاتا رہے لیکن آقا ﷺ نے جس کو تیار کیا تھا اس کو اس توجہ سے تیار کیا تھا۔ یہ فلسفہ غار ثور تھا۔^(۱)

معیت کے ساتھ استقامت

توجہ اتحادی سے وہ معیت عطا کی کہ مشابہت ہوگئی۔ پھر اس مشابہت میں وہ استقامت عطا کی کہ آپ قوت تدبیر نبوت کے ساتھ اسلام کے دفاع پر مامور ہو گئے صدیق اکبر ﷺ کو رب کائنات نے حضور ﷺ کے ساتھ مقامِ صحابیت دیا اور اس مقامِ صحابیت میں مقامِ معیت دیا، اسی میں مقامِ فناءیت دیا، اسی میں مقامِ بقائیت دیا۔ اس میں استقامت عطا کی اور استقامت کے ساتھ مقامِ صدیقیت دیا۔ اس کی الگ شرح ہے۔ مقامِ صدیقیت کے ساتھ مقامِ مرتضیت دیا۔ صدیق اکبر ﷺ نے کہا کہ اگر بلال ﷺ کو آزاد کرایا ہے تو کسی پر احسان نہیں، یہ تو صرف رب کا مکھڑا تنے اور اس کی رضا کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اعلان کر دیا:

وَكَسُوفٍ يُرْضٰی ۝ (۲)

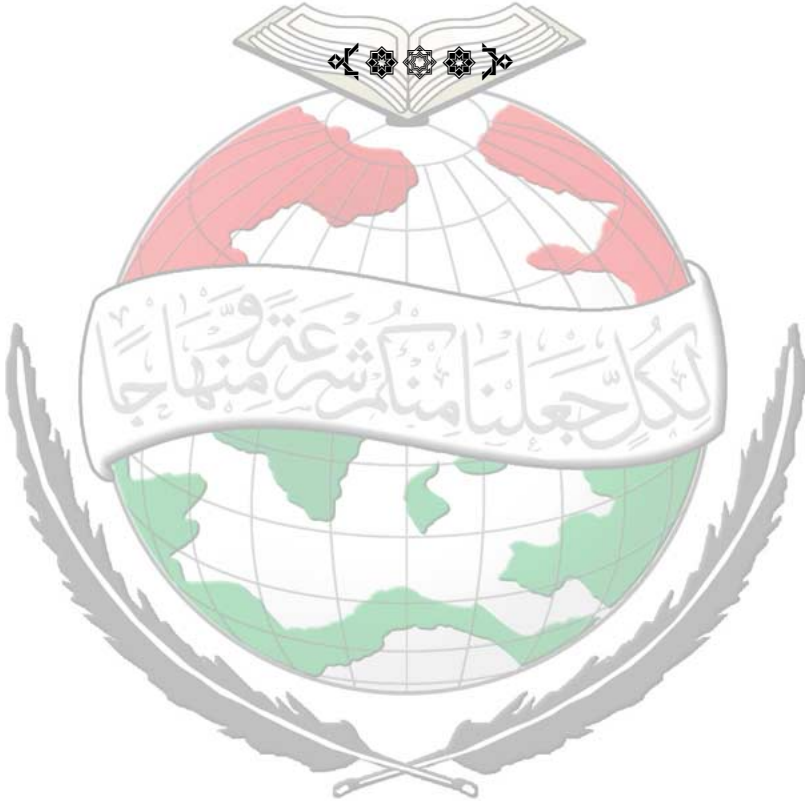
”اور غرقیب وہ اللہ کی عطا سے اور اللہ اس کی وفا سے راضی ہو جائے گا“

(۱) ابو داؤد، السنن، کتاب السنۃ، باب فی استخلاف اُمی بکر، ۴:

۲۱۶، رقم: ۴۶۶۱

(۲) اللیل، ۲۹: ۱۲

رب کائنات کا اعلان ہے کہ وہ صدیق اکبر ﷺ سے راضی ہو گیا تو مقام رضا ملا، مقام صدق و حیاء دیا، مقام وفا دیا۔ کیا کیا نہ دیا؟ اتنا دیا کہ مصطفیٰ ﷺ کا مظہر اتم بنا دیا۔
رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔



www.MinhajBooks.com

رفیقِ نبوت

اک دن رسولِ پاکؐ نے اصحابؓ سے کہا
 دیں مال راہِ حق میں جو ہوں تم میں مال دار
 ارشاد سن کے فرطِ طرب سے عمرؓ اُٹھے
 اُس روز اُن کے پاس تھے درہم کئی ہزار
 دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور
 بٹھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار
 لائے غرض کہ مالِ رسولِ امیںؐ کے پاس
 ایثار کی ہے دستِ نگر ابتداے کار
 پوچھا حضورؐ سرورؐ نے اے عمرؓ
 اے وہ کہ جوشِ حق سے ترے دل کو ہے قرار
 رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
 مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار
 کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
 باقی جو ہے وہ ملتِ بیضا پہ ہے نثار

اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آگیا
 جس سے بناے عشق و محبت ہے استوار
 لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت
 ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
 بولے حضورؐ چاہیے فکرِ عیال بھی
 کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
 اے تجھ سے دیدہ مہ و انجم فروغ گیر
 اے تیری ذات باعثِ تکوین روزگار
 پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
 صدیق کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

(علامہ محمد اقبالؒ، بانگِ درا)



www.MinhajBooks.com